یکم ستمبر ۷۸ء
ہفت روزہ
ذوالفقار
گھوٹکی
نظربندی، ناجائز اور غیر قانونی ہے

قارئین کہتے ہیں

شہید کی بیوہ جیل میں بیٹا غائب

مکرمی! وزیر آباد میں بہت سے سیاسی کارکن جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں یا غائب ہیں لیکن ان کا پوچھنے والا کوئی نہیں۔ یہاں کا معروف کارکن اور میرا بھائی خورشید احمد قریشی ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء سے نظر بند ہے۔ مجھے ۲۹ مارچ کو ایک ماہ تک گوجرانوالہ جیل میں نظر بند رکھا گیا۔ میرے بیٹے نیاز احمد بٹ اور دو دوسرے لڑکوں مصطفےٰ اطوسم اور منور بیگ میری نظر بندی کے دوران سے غائب ہیں۔ ان کے غائب ہونے سے قبل کسی دشمن کی غلط مخبری پر میرے بیٹے کو اس جرم میں کہ اس نے کتے کے گلے میں تختی لٹکائی تھی۔ ایک سال قید اور دس کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔

میں ایک شہید کی بیوہ ہوں۔ میرا خاوند وطن پر قربان ہو گیا اور میں زندہ ہوتے ہوئے بھی زندگی سے محروم کر دی گئی ہوں، اور کوئی آواز سود مند ثابت نہیں ہو رہی۔

انور رشیدہ۔ وزیر آباد

کالا باغ کا ٹارچر کیمپ

ہفت روزہ "پربھات" کے شمارہ میں پنجاب نوگولڈ امپلائیز فیڈریشن کے شوکت حسین نیازی کا مطالبہ "ٹارچر کیمپ ختم کیا جائے" لاکھوں دلوں کے جذبات و احساسات کا نقیب تھا شوکت حسین نیازی نے انٹرویو کے دوران بتایا کہ "وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میانوالی کے قریب کسی مقام پر ایک اذیتی کیمپ موجود ہے جہاں اذیت رسانی کے تمام آلات موجود ہیں انہوں نے وہاں ساتھ کے کمروں سے دوسرے لوگوں کے کراہنے اور چیخنے کی آوازیں سنیں، اذیت کیمپ کے سلسلہ میں تفتیش کے لئے ہائی کورٹ کے کسی جج کو مقرر کیا جائے اور اذیتی کیمپ فوراً ختم کیا جائے"

دلائی کیمپ، شاہی قلعہ لاہور، اٹک قلعہ کیا کچھ کم تھے کہ اب ان بو جڑ خانوں۔ ذبح گاہوں۔ بیگار کیمپوں کو ہر شہر کی تقدیر بنا دیا گیا ہے۔ خاردار تاریں۔ چار دیواریاں۔ سنگین۔ زنجیریں۔ بیڑیاں۔ کوڑے۔ جلا وطنیاں۔ بے دخلیاں۔ چھانٹیاں۔ پابندیاں اس دھرتی کا نصیب بنا دی گئی ہیں۔ ٹارچر کیمپ سیٹ کالا باغ کی حدود میں واقع ہے جہاں سیاسی مخالفین کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے پہلے بیگار کیمپ میں قید تنہائی دی جاتی ہے۔ پھر انہی ٹارچر کیمپ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جہاں بے گناہ بلک بلک کر مر جاتے ہیں۔ یادداشت کھو بیٹھتے ہیں اور مر جانے پر ان کی لاشیں غائب کر دی جاتی ہیں۔

ہم اہل کالا باغ جناب نیازی سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس ضمن میں مکمل حقائق و کوائف ہمیں دیں تاکہ عوامی طاقت سے مذکورہ ٹارچر کیمپ کو ہمیشہ کے لئے اس پاک دھرتی سے ختم کرایا جائے۔

سید الطاف حسین شاہ۔
سیکریٹری کالا باغ فرنٹ

ثناخوان تقدیس کو مشورہ

اسلامی نظام کے حامی اور نام نہاد علمبردار ایک عرصے سے شور مچا رہے ہیں کہ ٹیلی ویژن کے پروگرام "پائل" کو بند کیا جائے۔ یہ کلاسیکی اور ہلکا پھلکا تفریحی پروگرام ان علماء کی نظر میں "بدنام زمانہ" ہے اور اس پروگرام کے جاری رہنے سے "اسلام خطرے میں" پڑ سکتا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ان نام نہاد اسلامی اخوت کے علمبرداروں کو ہر وقت "اسلام خطرے میں" کیوں نظر آتا ہے۔ لیکن ہم یہ ضرور پوچھیں گے کہ اسلام صرف ایک بے ضرر پروگرام "پائل" سے تو خطرے میں پڑ سکتا ہے لیکن کراچی جم خانہ میں ہونے والے تیراکی کے مقابلوں کے بارے میں یہ "ثناخوان تقدیس مشرق" کیا کہتے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے سرکاری افسروں، تاجروں اور سرمایہ داروں کی بہو بیٹیاں تیراکی کے مختصر لباس میں جلوہ افروز ہوتی ہیں اور پھر ان کی تصاویر بڑی آب و تاب سے اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور اسکی فلم ٹیلی ویژن پر خبر ناموں میں دکھائی جاتی ہے۔ اسی جم خانہ میں پابندی کے باوجود شراب کھلے عام ملتی ہے جہاں رمضان المبارک کے دوران بھی اعلیٰ افسران اور ان کی بیگمات کو مہیا کی جاتی ہے اس وقت ان ثناخوان تقدیس مشرق کو اسلام خطرے میں پڑتا نظر نہیں آتا؟ اس لئے کہ قانون صرف غریبوں اور متوسط طبقوں کے لئے ہے جن کی واحد تفریح ریڈیو یا ٹیلی ویژن ہے۔

رئیس فاطمہ۔ کراچی

تنخواہ کے لئے اللہ کا حکم چاہئے

میانوالی میں اساتذہ اور تعلیمی مسائل کا حل استخارہ سے نکالا جاتا ہے جیسے مولوی حضرات تصوف کی زبان میں الہام کہتے ہیں۔ میانوالی کے ایجوکیشن آفیسر کو حالات اور نوکر شاہی نے مجبور کر دیا ہے کہ مرزا غلام احمد کی طرح استخارہ سے کام چلائیں۔ چنانچہ ایک سال سے استخارہ پر کام چلا کر تعلیمی سارا نظم و نسق درہم برہم کر دیا گیا ہے۔ اساتذہ کو دو دو ماہ سے تنخواہیں نہیں ملیں۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ختم ہونے کو ہے اور غریب اساتذہ عید پر بچوں کے لئے کپڑے جوتے خریدنے کے لئے اپنی قسمت کا استخارہ نکلنے کے منتظر ہیں۔

اساتذہ کا ایک وفد ایجوکیشن آفیسر میانوالی قاضی مقصود احمد سے ملا تو انہوں نے اساتذہ کے وفد کو بتایا کہ اسلام میں خلیفہ خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ چھوٹا آفیسر بڑے آفیسر کے سامنے۔ ایجوکیشن آفیسر ڈائریکٹر تعلیم کے سامنے مگر اساتذہ کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔ انہوں نے اساتذہ کو کہا کہ نوکری عزیز ہے تو تشریف لے جائیے اور خاموش ہو کر کام پر جائیے۔ جب اللہ کی طرف سے حکم ہوگا آپ کے مسائل حل کر دیئے جائیں گے افسر تعلیم کلرکوں کو صرف مومن بنانے پر لگے ہوئے ہیں اور اساتذہ بے چارے کبھی آفیسر کو دیکھتے ہیں کبھی اپنی بدحالی کو۔

ایم اے جہانگیر ایم اے بی ایڈ میانوالی

پولیس مارشل لاء پر حاوی ہے؟

مارشل لاء کے نفاذ سے لوگوں نے سکھ کا سانس یہ سوچ کر لیا تھا کہ جرائم میں کمی واقع ہو جائے گی۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جس تیزی سے جرائم میں اضافہ ہوا ہے اگر یہی صورتِ حال رہی تو ملک کا خدا ہی حافظ ہوگا۔ جرائم پیشہ افراد کی دیدہ دلیری کہ اب وہاں بھی واردات کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتے جہاں ہر وقت مسلح پہرہ رہتا ہے آٹھ، نو ماہ قبل سینٹرل جیل کراچی کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ راشد سعید کی سرکاری رہائش گاہ میں جو سنٹرل جیل کراچی کے احاطے میں واقع ہے چوری ہوئی۔ اس کی رپورٹ تھانہ نیو ٹاؤن میں درج کرائی گئی۔ مگر تاحال کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

اخبارات میں اگر کسی محکمے کے متعلق ایک بار بھی کوئی خبر چھپ جائے تو سارا محکمہ ہی اسکی طرف توجہ دیتا ہے۔ مگر محکمہ پولیس کو تو حلوے مانڈے سے ہی فرصت نہیں کہ وہ اس طرف متوجہ ہو کر چوری کا سراغ لگائیں۔ مارشل لاء کے دور میں پولیس کی اس بے حسی کو دیکھ کر ہم یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو جائیں کہ مارشل لاء بھی بے بس ہے اور پولیس ان پر بھی حاوی ہے

امتیاز احمد سومرا۔ بولٹن مارکیٹ
کراچی

پوپ کے سوگ میں

گذشتہ دنوں عیسائیوں کے مذہبی راہنما پوپ پال انتقال کر گئے۔ عیسائی دنیا نے سرکاری طور پر اپنے پوپ کا سوگ منایا اور اپنے ملکوں کے جھنڈے سرنگوں کئے تو وہ ان کا فرض تھا لیکن میری سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے کہ پاکستان جیسی حکومت اور وہ بھی جنرل ضیاء الحق کے دورِ اسلامی میں پوپ پال کے سوگ میں ہلالی پرچم کیوں سرنگوں کیا؟ ایک طرف تو عیسائی دنیا کے سیاسی راہنما اور عالم اسلام کے ازلی دشمن صیہونیت کی پشت پناہی اور تمام دنیا کے حریت پسندوں کے دشمن سامراج امریکہ پاکستان کو ری پروسیسنگ پلانٹ کی فراہمی میں رکاوٹ بن گیا ہے اور پاکستان کی تمام امداد بند کر دی۔ دوسری طرف ہماری نظام مصطفےٰ کا نام لے کر اقتدار پر قبضہ کرنے والی حکومتِ اسلام کے ازلی دشمن عیسائیوں کے رہبر کی موت پر اپنا سبز ہلالی پرچم سرنگوں کرتی ہے کیا دوغلی ہے۔؟ اس لئے تو عوام دوست محنت کشوں کے حقوق کی محافظ پاکستان کی بائیں بازو کی سیاسی پارٹیوں کا کہنا درست ثابت ہو رہا ہے کہ سرمایہ داروں۔ جاگیرداروں کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا ہے۔ بقول لینن سرمایہ دار چاہے یہودی ہو مسلمان ہو یا ہندو ہو اس کا ایک ہی مذہب ہوتا ہے کہ محنت کشوں کے خون سے دولت بنائی جائے اور مذہبی نعرہ بلندی کر کے محض اقتدار کا حصول کیا جائے۔

دلدار خان۔ ڈبگری گیٹ پشاور

نیند سے جاگتے

پاکستان قومی اتحاد چکنا چور ہو کر بکھر چکا ہے۔ فضا انتشار کی گرد سے اٹی ہوئی ہے سیاسی ابتلا کے اس دور میں صحافیوں کی جدوجہد نے مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کے لئے پلیٹ فارم فراہم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مشترکہ جدوجہد ہی ہمارے مسائل کا واحد حل ہے۔ یہ پہلا قدم صحیح سمت میں اٹھایا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اب تمام ترقی پسندوں جمہوریت نوازوں اور قوم پرستوں کی ایک تنظیم قائم کر کے اس کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے ان طبقوں کو اتحاد و یکجہتی کا احساس دلانا اشد ضروری ہے اتحاد اسی وقت بیدار ہوتا ہے جب مختلف ہم خیال عناصر ایک دوسرے کی امداد و اعانت کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے ہوں۔ چنانچہ آج کے حالات میں یہ بات واضح ہونی چاہیئے موقع پرست عناصر پیپلز پارٹی سے الگ ہوں لیکن اس کے باوجود تنظیم اور داخلی یکجہتی کے بغیر کوئی جماعت کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پارٹی کے بانی ارکان جو منافقین کی ریشہ دوانیوں سے پارٹی سے علیحدہ ہو گئے تھے ان کے ساتھ افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع کیا جائے پھر تمام ہمخیال جماعتوں سے رابطہ قائم کیا جائے اور بنیادی مسائل پر یکجہتی اور اتحاد کی بنیاد پر ایک ایسا محاذ قائم کیا جائے جو آج کے پُر تشدد حالات میں اس جنگ کے لئے خود کو تیار کر سکے، جو جماعتی عناصر شروع کرنے کے لئے پَر تول رہے ہیں۔ جس کا جواب نہایت ضروری

فرخ پیرزادہ راولپنڈی

ہفت روزہ

ذوالفقار

گھوٹکی

۲ ستمبر ۷۸ء

قیمت ۴ روپے

دفترِ رابطہ

مطبوعات

۶۹-۵، ڈی نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس، کراچی — ۲۹

فون: ۴۳۲۲۷۴

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

قائم مقام ایڈیٹر
راشد بشیر

کالم نگار
حسین نقی

وقائع نویس
شبیہہ الحسن

انتظامی امور
حاجی عدیل

سرورق
سعید الدین حسین

خاصِ مضامین

اسلام آباد
ذوالفقار حیدری

غیر ممالک

پیکنگ
رشید بٹ

ماسکو
محمد زاھد

کینیڈا
سعید ابن سعود

لندن
عبدالحفیظ قریشی

یورپ فاروق طارق

متحدہ عرب امارات
مقیم دوبئی
غلام جیلانی

ضلعی نمائندے

میرپور خاص
محبوب احمد

خیرپور، سکھر
جیکب آباد، لاڑکانہ
کامران ابڑو

سانگھڑ
ایاز سندھی

ٹنڈو الہ یار
کامل سموں

ملتان
ناصر زیدی

فیصل آباد
طارق سعید

گوجرانوالہ
محمد افضل جوہر

ٹوبہ ٹیک سنگھ
غیاث الدین جانباز

سرگودھا
الطاف چغتائی

دھاڑے
احسان ملک

گوادر
سلیمان شریف

میانوالی
روشن بگ

آزاد کشمیر
سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ مقیم حیدرآباد
احسان عظیم

پنجاب مقیم لاہور
کاشف

سرحد مقیم پشاور
امان [illegible]

بلوچستان مقیم کوئٹہ
ناصر عرفات

چیف ایڈیٹر
سید اظہر گیلانی

سید اظہر گیلانی
پبلشر [illegible] نے [illegible]
[illegible] سے چھپوا کر
دفتر ہفت روزہ ذوالفقار
گھوٹکی سے
شائع [illegible]

آپ کیا کر رہے ہیں

اتفاقات بھی عجیب چیز ہیں۔ بعض اوقات بظاہر بڑی سنجیدہ نظر آنے والی باتیں حالات کے سیاق و سباق میں انتہائی مضحکہ خیز بن جاتی ہیں۔ اب ۲۷ اگست کو مارشل لاّ حکومت کے جاری کردہ قرطاسِ ابیض ہی کو دیکھ لیجئے۔ اس بحث میں نہ پڑیئے کہ اس میں کتنی یا کس حد تک سچائی ہے۔ کن حالات کو دبایا اور کن حالات کو اچھالا گیا ہے۔ کن اخبارات و جرائد کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کا اظہار کیا گیا ہے اور کن اخبارات و جرائد کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کو چھپایا گیا ہے۔ یہ بات ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ یہ مارشل لاّ حکومت (در حقیقت ہوا کا رخ اور حاکم کے اشارۂ اَبرُو کو پہچاننے والے کالے انگریزوں) کا مرتّب کردہ قرطاسِ ابیض ہے اور یہ مرتّبین منہاج برنا، نثار عثمانی، حفیظ راقب اور ان کے ساتھی تو ہیں نہیں کہ ذاتی پسند ناپسند پر اصولوں کو ترجیح دیں اور اپنے بدترین بدخواہ "جسارت" کے خلاف ہونے والی کارروائی پر بھی صدائے احتجاج بلند کریں۔ اس لئے فرض کر لیجئے جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف سچ ہے اور سچ کے سوا کچھ نہیں۔

سابقہ حکومت کے دور میں اخبارات و جرائد کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کی تفصیل سے ہم آپ کا وقت نہیں ضائع کریں گے۔ قوم کا وقت اور پیسہ جس انداز میں اور قوم کی رضامندی حاصل کئے بغیر حکومت جس طرح ضائع کر رہی ہے وہ کافی سے زیادہ ہے۔ ہم تو صرف یہ نشان دہی کرنا چاہتے ہیں کہ جس روز یہ قرطاسِ ابیض جاری کیا جا رہا تھا اسی روز اخبارات میں یہ اطلاع بھی شائع ہوئی تھی کہ الفتح مطبوعات کے زیرِ انتظام شائع ہونے والے ہفت روزہ "پربھات" نواب شاہ کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اس روز آزادیٔ صحافت کے لئے جدوجہد کو شروع ہوئے اکتالیسواں دن تھا۔ اور اس سلسلے میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد ۱۷۵ تک پہنچ گئی تھی۔ اور ان گرفتار ہونے والوں میں سے بعض پر عقوبت خانوں میں (مجاہدینِ صحافت سخت ترین اذیتیں اٹھانے کے بعد بھی قومی مفاد کے پیشِ نظر ان اداروں اور مقامات کا نام ظاہر نہیں کر رہے ہیں جہاں انہیں انسانیت سوز رویّے کا شکار بنایا گیا) جو کچھ گذری اس کی روئیداد بھی سامنے آئی۔ یہ اعلان بھی ہوا کہ پانی کو سر سے گذرتا دیکھ کر خواتین بھی جیالے صحافیوں، مزدوروں، کسانوں اور طالب علموں کے ساتھ جدوجہد میں شامل ہو رہی ہیں۔

آپ نے دیکھا کیسا سنگین مذاق ہے۔ اور آپ اتفاق کریں گے کہ ایسا مذاق صرف جماعت اسلامی کے صالحین، ہمدرد اور متفقین ہی کر سکتے ہیں اور اس پر فخر کر سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قیام پاکستان کے ابتدائی ایک دو سالوں کے بعد سے تصویر کا یہی ایک رُخ کیوں ہے؟ ہماری نظر میں اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ حکمران طبقات اور افراد صرف ان کی مخالفت میں اٹھنے والی آواز ہی نہیں دباتے۔ رہے ہیں بلکہ عوام کے اجتماعی شعور، اصول پرستی اور اخلاقی جرأت کو کچل کر انہیں خود غرضی اور ہوس پرستی کی حیوانی سطح تک گرانا ان کا اصل مقصد رہا ہے۔ ان کی آج بھی یہی کوشش ہے۔ مگر آزادیٔ صحافت کی موجودہ تحریک اسی کوشش کو ناکام بنانے کی جدوجہد ہے۔

آخر میں آپ سے ایک سوال ہے۔ آپ نے اس جدوجہد کی کس حد تک اخلاقی اور عملی حمایت کی ہے؟

نظربندی، ناجائز اور غیر قانونی ہے

لاہور ہائیکورٹ میں بیگم نصرت بھٹو کی اپیل

میری نظربندی توہین عدالت کے بھی مترادف ہے

بحضور لاہور ہائی کورٹ۔ واقع لاہور

ڈبلیو۔ پی نمبر ۲۸۱۲ بابت ۱۹۷۸ء

بیگم نصرت بھٹو زوجہ ذوالفقار علی بھٹو

۳۱۔ جی۔ گلبرگ لاہور۔ حال مقیم ۲۶۷۔ ایف

اسلام آباد

درخواست گذار

بنام

۱۔ ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر۔ سیکٹر I۔ پنجاب

زون۔ اے۔ لاہور

مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر۔ پنجاب، زون اے۔ لاہور

مدعا علیہان

ترمیمی درخواست

درخواست تحت آرٹیکل ۱۹۹۔ آئین۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان

مؤدبانہ التماس ہے:

۱۔ کہ درخواست گذار کا حالیہ پتہ درست دیا گیا ہے۔ درخواست گذار کو اس کی رہائش گاہ یعنی ۳۱۔ جی گلبرگ III۔ لاہور میں نظربند کیا گیا تھا۔

درخواست گذار خون کے دباؤ میں کمی کی مریضہ ہے۔ جب اسے اس کے شوہر مسٹر زیڈ اے بھٹو جو راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل میں موت کے سزا یافتہ قیدی ہیں، سے ملانے کے لئے راولپنڈی لے جایا گیا تھا تو وہ دو مرتبہ ہوائی جہاز میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ معاملے کی اس نوعیت کے پیش نظر کہ کہیں کوئی سانحہ واقع نہ ہو۔ درخواست گذار کو مدعا علیہ نمبر ا کے حکم کے تحت راولپنڈی منتقل کیا گیا جہاں اسے نظربند رکھا جا رہا ہے۔ درخواست گذار نے خود بھی مدعا علیہ نمبر ا کو مطلع کیا تھا کہ موجودہ حالات میں اس کا راولپنڈی کا سفر کسی تباہی پر منتج ہو سکتا ہے۔ آخری بار جب درخواست گذار کو راولپنڈی لے جایا گیا تو اس کے لئے ناممکن ہو گیا کہ وہ لاہور آتے کیونکہ اس کی حالت تباہ کن حد تک بگڑ گئی تھی۔

۲: کہ اس ترمیمی درخواست میں حقیقی صورت حال حسب سابق ہے اور صرف مدعا علیہ نمبر ۲ کے جاری کردہ زیر بحث حکم مورخہ ۲۰۔۸۔۷۸ کی وجوہات کو شامل کیا جا رہا ہے اور درخواست میں ترمیم کی جا رہی ہے تاکہ حقیقی صورت حال اور اس کے ساتھ وجوہات کے تسلسل کو برقرار رکھا جا سکے۔

باقی صفحہ ۲۵ پر

میری خاموشی کو بھی مارشل لاء کے خلاف تصور کیا جا رہا ہے

میری نظربندی کا مقصد اپنے شوہر کے مقدمے کی پیروی سے روکنا ہے

حسین نقی

آئندہ عام انتخابات کی تیاریاں مخالف اخبارات بند، دھاندلیوں کی منصوبہ بندی

چیف الیکشن کمشنر مولوی مشتاق حسین مثبت نتائج کے انتظامات میں مصروف ہیں

بہت لاعلم اور بے خبر بلکہ صاف ستھری زبان میں جاہل اخبار نویس ہونے میں پہلے اگر ہمیں کچھ شک تھا بھی تو اب یقین ہو گیا کہ علیم و خبیر یعنی علم اور خبر رکھنے والے جنرل ضیاء الحق صاحب نے پاکستانی اخبار نویسوں کو بہت لاعلم اور بے خبر پایا۔ مجھے اپنے دوست اور عظیم ترین اسلامی مفکرین صحافت مجیب الرحمٰن شامی اور صلاح دین اور محترمین زیڈ اے سلہری، الطاف قریشی، مجید نظامی اور میر خلیل الرحمٰن پر بے حد رشک ہوا کہ یہ حضرات ان خوش قسمت اخبار نویسوں میں ہیں جنہیں جنرل صاحب کی زیارت اور ملاقات کا اکثر شرف حاصل ہوتا رہا ہے یا وہ اخبار نویس جنہوں نے وائٹ پیپر بسلسلہ دھاندلی انتخابات اور اب بسلسلہ ذرائع ابلاغ استعمال تبیح مرتب کیا۔

وائٹ پیپر کے لغوی معنیٰ ہوئے "سفید کاغذ" واقعتاً یہ وائٹ پیپر بسلسلہ استعمال تبیح ذرائع ابلاغ از ۲۰ ر دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۴ ر جولائی ۱۹۷۷ء حقیقتاً ایک سفید بلکہ کورا کاغذ ہے سوائے اس کے کہ اس کے ایک صفحے پر میرے جدِ امجد اور ہم سب کے رسول اکرمؐ کی ایک حدیث شائع ہوئی ہے اور اس قدر برمحل ہے کہ کم از کم میرے لئے اس "کورے کاغذ" کے تین سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل پلندے کے پیسے وصول ہو گئے۔

حدیث نبویؐ کا انگریزی سے اردو ترجمہ یہ ہے:۔

وہ مجھ سے نہیں ہے کہ جب بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اسے توڑ ڈالتا ہے اور جب اس پر اعتماد کیا جائے تو اس اعتماد پر پورا نہیں اترتا

اس حدیث نبویؐ کی کسی تشریح کی ضرورت ہے؟ کیوں برادرانِ اسلام؟

بے خبروں کے لئے، ان کے لئے جن تک کوئی پیغام پہنچا ہی نہیں رسول اکرمؐ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ وہ مجھ سے نہیں، لیکن جھوٹ بولنے وعدہ کی خلاف ورزی کرنے والے اور اعتماد پر پورا نہ اترنے والے کیلئے صاف کہا گیا کہ وہ مجھ سے نہیں، کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ دین؟ دعا فرماتے ہیں، کامیابیوں کی، ان کے لئے جو وعدہ کو توڑتے، جب بولتے تو جھوٹ بولتے اور جب اعتماد کے قابل سمجھے جاتے تو اعتماد پر پورے نہیں اترتے۔ ان کے لئے محمد مصطفےٰؐ فرماتے ہیں کہ وہ مجھ سے نہیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں جب ان کے لئے حدیث رسول موجود ہے۔

اس لئے میں وائٹ پیپر بسلسلہ استعمال تبیح ذرائع ابلاغ کے مرتبین کو ان کی اس ایک دریافت یعنی حدیث نبوی اور اس کی اشاعت کا اہتمام کروانے میں کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں باقی جو کچھ اس کے اندر چھپا ہے اس کے متعلق یہی لکھا جا سکتا ہے کہ:۔

جب لکھتے ہیں تو وہ نہیں لکھتے جس کا انہیں علم بھی ہے اور چھپا لیتے ہیں وہ حقائق جو ان کے چہروں کی نقابیں اتار پھینکیں اور نہیں چھاپتے وہ اعداد و شمار جن سے پتہ چل جائے عوام کو کہ کس کس نے کتنا مال بکری کیا اور ڈکار گئے وہ سارا مال وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ۔

دیکھئے، پربھات کے متعلق آج یہ چھپ چکا ہے کہ اس کو جبری طریقہ سے بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی میں یہ کالم لکھ رہا ہوں تاکہ جب اگلا سفید کاغذ یر نامۂ اعمال چھپے تو سند ہے کہ جس دن ذرائع ابلاغ کے سلسلے میں حکومت کی کارگذاریوں کا وائٹ پیپر چھپا اسی روز ہفت روزہ پربھات پر جبری پابندی عائد ہو گئی اور یہ کارروائی قومی اتحاد کی اکثریت کے ساتھ بنائی جانے والی جنرل ضیاء الحق صاحب کی پہلی کابینہ کے حلف اٹھانے کی تقریب کے پہلے ہی ہفتہ میں انجام پائی اور اس وقت وزیر اطلاعات تھے جناب محمود اعظم فاروقی صاحب مجاہدِ آزادیٔ صحافت جسارت۔ اور کہہ رہے تھے موصوف ادھر شہر لاہور میں کہ حکومت پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کو منسوخ کرتے اور ایک نیا قانون بنانے کی سنجیدہ کوشش فرما رہی ہے اور یہ کہ تسلیم کرتے تھے جناب فاروقی جو خود میری ہی طرح خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفۃ المسلمین کی نسل سے ہیں کہ واقعی قومی اتحاد نے اس بدنام زمانہ قانون کی منسوخی کا عہد کیا تھا اپنے مینی فیسٹو میں جس کا بلا اجرت انگریزی ترجمہ اس حقیر نے اسی شہر لاہور میں کیا۔

اسی کو مولانا مودودی صاحب اسلامی نظام نافذ کرنے سے تعبیر فرماتے ہیں اور اس کے لئے دعا بھی فرماتے ہیں تو عرض ہے بیسویں صدی میں یزیدی اسلام نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی اس زمانہ میں یہ ہو سکتا ہے کہ جسارت کی اداریاتی پیشانی پر سورۃ النساء کی یہ آیت سجائی جائے:۔

"اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا

(باقی صد ۲۴ پر)

اسلام آباد

عام انتخابات نہیں، اعتماد کیلئے ریفرنڈم ہوگا

جنرل ضیاء الحق اور جنرل ضیا الرحمان کی پالیسیوں میں یکسانیت ہے

ذوالفقار حیدری

بلّی اور چوہے کی دشمنی بڑی پرانی ہے۔ چوہے کو بلّی سے جو بُغض ہے وہ اردو زبان کے علاوہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک چوہے کو بڑی خوبصورت بوتل کہیں سے مل گئی۔ اس نے بڑی ریسرچ کی کہ معلوم ہو سکے کہ بوتل میں کیا تھا مگر بے چارہ کو کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ بوتل کی تہہ میں کوئی مشروب تھا۔ چوہے نے کسی نہ کسی طرح اپنی دُم بوتل میں گھسیڑ دی۔ دُم جب مشروب میں لگی تو اُسے نکال کر چوہے میاں نے چکھ لیا۔ بڑا مزا آیا۔ انہوں نے بار بار دُم بوتل میں ڈال کر چوسی، بوتل شراب کی تھی اور اس میں تلچھٹ باقی رہ گیا تھا۔ اس تلچھٹ نے چوہے میاں کو نشہ کر دیا۔ شراب کا نشہ سُنا ہے، کہ دوسرے تمام نشوں کے مقابلے میں انسان کو بہادر کر دیتا ہے۔ اس نشے نے چوہے میاں کو بہادر ترین بنا دیا۔ وہ دُم کے بل کھڑے ہو گئے ادھر اُدھر دیکھا بلّی کے خلاف ان کا ازلی بُغض ابھر آیا انہوں نے للکارا۔

"اوئے بلّی تو کدھر ہے"۔ بے چارے للکارتے رہے اور تھک گئے تو بیٹھ گئے۔ نشہ ہلکا ہوا تو خفت کے مارے بُرا حال تھا۔ بلّی کی میاؤں سُنی تو بھاگ کر بل میں گھس گئے۔ ہمیں یہ حکایت بے وقت یاد نہیں آئی۔ پچھلے دنوں پاکستان قومی اتحاد اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مابین سول حکومت کے قیام کی بات چیت چل رہی تھی جب معاملات پک گئے تو اسی روز جناب مولانا مفتی محمود کا بیان آیا پاکستان قومی اتحاد آج بھی ایک طاقت ہے ہم انتخابات میں اپنے مخالفین کی ضمانتیں ضبط کرا دیں گے۔ مفتی صاحب کی یہ "بڑھک" اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ مفتی صاحب کا یہ بیان اور چیلنج ہم عوام دوست طاقتوں کی طرف سے قبول کرتے ہیں۔ مفتی صاحب اگر پاکستان قومی اتحاد کو انتخابات میں اپنی جیت کا اسی قدر یقین ہے تو پھر قومی اتحاد کو حکومت میں شامل ہونے سے پہلے ہی انتخابات کرانے کا مطالبہ کرنا چاہیئے تھا۔ مگر ہماری بد قسمتی ہے کہ قومی اتحاد نے حکومت میں شامل ہونے سے پہلے مارشل لاء کو اکتوبر ۱۹۷۹ء تک تو کسی روک ٹوک کے بغیر حکومت کرنے کا حق دے دیا۔ اس لئے بھی کہ اس طرح پاکستان قومی اتحاد کو بھی ایوانِ اقتدار میں رہنے کا موقع مل جائے کیونکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قومی اتحاد اگر باقی ہے تو اس میں شامل کوئی بھی جماعت یا جماعتیں اس ملک کی تاریخ میں کبھی بھی عام منصفانہ انتخابات کے ذریعے اتنی نشستیں حاصل نہیں کر سکیں گی کہ اپنی حکومت بنا لیں۔ بعد خرابی بسیار جن جماعتوں نے حکومت میں شمولیت اختیار کی ہے ان کا ماضی ہمارے سامنے ہے جمعیت العلمائے اسلام نے یحییٰ خان کے آزادانہ انتخابات میں کل سات نشستیں حاصل کی تھیں، یاد رش بخیر جماعت اسلامی نے قومی اسمبلی میں چار نشستیں حاصل کی تھیں اور نوابزادہ نصر اللہ خان کی چھ رُکنی سیاسی جماعت نے ایک نشست بھی حاصل نہیں کی تھی۔ یہ احوال ان انتخابات کا ہے جو ملک کی تاریخ میں آزادانہ اور منصفانہ گنے جاتے ہیں۔ مولانا مفتی محمود صاحب کی "بڑھک" سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ مثبت نتائج کے حامل انتخابات سے جنرل ضیا الحق کی مراد یہ ہے کہ شامل حکومت جماعتیں ہی انتخابات میں دا گروہ انتخابات کیے جا سکیں تو بھاری اکثریت حاصل کریں۔

جنرل ضیا الحق صاحب نے نام نہاد پاکستان قومی اتحاد کو شریکِ اقتدار کر تو لیا ہے کہ ان کی ضرورت تھی۔ نظامِ مصطفےٰ کا قیام نئی مارشل لاء کابینہ کا اوّلین مقصد قرار دیا گیا ہے۔ جنرل صاحب کو شاید کسی نے یہ اطلاع نہیں دی ہے کہ مذہب کا پرچار کرنے والی جو جماعتیں ۳۱ سالوں میں ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکیں اور اٹھتے بیٹھتے اسلام کا نام لینے سے نہیں تھکیں اور انہوں نے اسلام کی کوئی عملی خدمت نہیں کی وہ اب کچھ نہیں کر سکیں گی۔ اصل بات یہ ہے پاکستان قومی اتحاد جنرل ضیا الحق سے اور جنرل ضیا الحق پاکستان

قومی اتحاد سے داؤ کھیل رہے ہیں۔ جنرل ضیاالحق شاید
یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں انتخابات کے انعقاد کے فیصلے
سے قبل صدر مملکت کی کرسی ان کے قبضے میں ہو۔ اس
مقصد کے لئے آئین میں ترمیم کرنا ہوگی۔ جسے قومی اتحاد
نے منظور نہیں کیا ہے۔ اس کا دوسرا حل یہ ہے کہ
بنگلہ دیش کی طرح جنرل ضیاالحق صاحب بھی اپنی پالیسیوں
پر عوام سے ریفرنڈم میں ووٹ حاصل کر لیں۔ اس
کے بعد وہ براہ راست صدر کا انتخاب لڑ کر منتخب
ہوں اور پھر اپنی شرائط پر سیاسی جماعتوں کو بلکہ صرف
مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کو شریک اقتدار کریں۔ یہ
دونوں جماعتیں ملک میں آمریت کے فروغ کے لئے
بے حد موزونیت رکھتی ہیں۔ غیر جمہوری طریقے سے ان
جماعتوں کو پھلنے پھولنے کے مواقع زیادہ ملتے ہیں۔ اس
منصوبے پر عمل درآمد کے لئے راہیں ہموار کی جا رہی
ہیں اس سے پہلے ہی اصولوں کے فروغ کے لئے نوابزادہ
نصراللہ خان اور مولانا مفتی محمود حکومت سے علیحدہ
ہو جائیں گے۔

ہو سکتا ہے کہ ہماری ان باتوں پر کچھ لوگ ہنس
پڑیں لیکن ریکارڈ پر ہے کہ ہم نے جو بھی پیش گوئی کی
ہے وہ پوری ہوئی ہے۔ ہم نے سب سے پہلے
فرانس کی جانب سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ نہ دیئے
جانے کی خبر شائع کی۔ حکومت نے اس کا بڑا منایا اور تردید
کر دی۔ بالآخر جنرل صاحب نے خود اس کا اعتراف کر
لیا ہے۔ این ڈی پی کے قومی اتحاد سے نکلنے کی خبر بھی
سب سے پہلے ہم نے دی۔ اس کی بھی بڑی پر زور
تردید ہوئی، پھر ہماری ہی بات سچ ثابت ہوئی تو اس
بار پھر ہماری پیش گوئی ہے کہ جناب جنرل ضیاالحق
صاحب کا منصوبہ بھی ہوگا مگر اس سے پہلے ہی نوابزادہ
صاحب اور مفتی صاحب اپنے وزراء کو حکومت سے
باہر نکال چکے ہوں گے۔ قومی اتحاد نے ۱۹۷۷ء کے عام
انتخابات میں جو وعدے عوام سے کئے تھے اب اس
کے شریک اقتدار ہونے کے بعد اتحاد کے وزراء نے
اس کی تاویلیں پیش کرنا شروع کر دی ہیں۔ شروع
شروع میں قومی اتحاد کے وزراء چند کام ایسے کریں گے
جن سے عوام میں ان کی واہ واہ ہو جائے مگر پھر ہر
چیز اپنی اصل کی جانب لوٹتی ہے۔ یہ جمہوریت دشمن
اور آمریت کو فروغ دینے والے افراد اپنے عمل سے
اپنے اصل کو ثابت کریں گے۔ فی الحال جنرل ضیاالحق
صاحب نے اپنی واہ واہ کر ڈالی ہے کہ انہوں نے
کابینہ میں کوئی فوجی جرنیل شامل نہیں کیا۔ اس کے
برعکس انہوں نے فوجی کونسل کو سپریم ادارہ قرار دیا
ہے اور کہا ہے کہ میں فوج کی وجہ سے اور میری وجہ
سے قومی اتحاد اقتدار میں ہے۔ گویا فوج کی بالادستی
اپنی جگہ پر ہے۔ انہوں نے واہ واہ کی اس برسات
میں کہا ہے کہ میں نے دماغ کا محکمہ بھی ایک سیاستدان
کے حوالے کر دیا ہے۔ عوام تعریف ضرور کر رہے ہیں
مگر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب اس ملک کا مقدس
آئین آپ کی مرضی کے تابع ہے۔ اور اس ملک میں
آئینی سربراہ اور آئین کا سب سے بڑا محافظ موم
کی ناک بنا ہوا ہے تو کوئی شخص بھی جو ذرا بھی سمجھ
رکھتا ہے آپ کی دلیل سے متفق نہیں ہوگا۔ آپ اپنی
طاقت کا اظہار کر کے پھر انکساری کرتے ہیں کہ لوگ
آپ کو منکسر المزاج سمجھتے ہیں کہ لوگ بڑے بھولے بھالے
ہیں اور ان کا حافظہ بے حد کمزور ہے۔ مگر یہ اصول تمام
قوم کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ہمیں امید
ہے کہ آپ اپنے اس اصول پر یقیناً قائم ہوں گے
کہ آپ کی ذات پر تنقید کی جا سکتی ہے۔ ہمیں فوج اور
عدلیہ جیسے اداروں کا بڑا احترام ہے۔ آپ نے
اپنی ذات پر جس طرح تنقید برداشت کی ہے، وہ بڑے
حوصلے کی بات ہے۔ اور ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا آپ کو
کم از کم اس میدان میں ہی حوصلہ عطا فرمائے کہ دوسری
طرف آپ کی کارکردگی بڑی مایوس کن ہے۔ ہمارا مطلب
ہے کہ آپ وعدے کر کے جب ان پر نظر ثانی کرتے
ہیں تو پھر بات کچھ اور ہوتی ہے۔۔۔ ہم اپنی دعا
ایک بار پھر دہراتے ہیں کہ خدا آپ کو حوصلہ عطا
فرمائے کہ آپ اس وقت بھی مستقبل میں بھی اور مستقبل بعید
میں بھی صاحب حوصلہ رہیں، سب باتیں حوصلے سے
برداشت کریں۔ آمین۔

ہم بنیادی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان کی چیز تلاش کر رہے ہیں

ایک امریکی جریدے "چیف ایگزیکٹیو" جس کے بارے میں خیال ہے کہ یہ سی آئی اے کا ترجمان اور آلہ کار ہے، نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاالحق کا انٹرویو شائع کیا ہے۔ یہ انٹرویو ہماری رائے میں دعوت فکر اور وجہ تشویش ہے۔ ہم قارئین کے مطالعے کے لئے انٹرویو کا مکمل متن شائع کر رہے ہیں ـــــــ (ادارہ)

سوال: کیا آپ اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ سیاستدان جب بھی ملک چلانے میں ناکام ہونے لگیں فوج کو اقتدار پر قبضہ کر لینا چاہیئے؟

جواب: نہیں۔ میں اسے کلیئے کے طور پر تسلیم نہیں کرتا کیونکہ میں اب بھی جمہوریت پر یقین رکھتا ہوں۔ میں نے اپنے فوجیوں کو بتایا ہے کہ سیاست وہ آخری کھیل ہے جس میں انہیں ملوث ہونا ہے کیونکہ ان کا فرض غیر ملکی جارحیت اور اندرونی خلفشار سے ملک کو بچانا ہے لیکن جب ایک ملک کو ان مسائل کا سامنا ہو جس کا کہیں ہے۔ تو پھر اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہتا کہ اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی جائے۔

ہمارا مقصد پاکستان میں سیاسی استحکام پیدا کرنا ہے تاکہ سیاسی قوتیں معمول کے مطابق اپنا ارتقائی عمل جاری رکھ سکیں۔ ایک دفعہ یہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر مسلح افواج کے لئے مداخلت کا کوئی جواز نہیں رہتا کیونکہ سیاستدان کے سر پر اگر فوج کی تلوار لٹکی رہے تو وہ ملک پر حکومت نہیں کر سکتا۔

جنرل ضیا کا چیف ایگزیکٹو کو انٹرویو

میری سبکدوشی کے بعد بھی شاید فوج سیاست میں ملوث رہے گی

بدقسمتی سے پاکستان تیسری بار مارشل لا کے زیر نگیں آیا ہے جس کی وجہ سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں پہلا مارشل لا ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں نافذ کیا اور وہ دس سال تک اقتدار سے چمٹے رہے۔ ان کا تختہ ان کے کمانڈر انچیف یحییٰ خان نے الٹا اور اس طرح دوسرا مارشل لا نافذ ہوا۔ انہیں ایک جنگ کا سامنا ہوا جس میں آدھا ملک گنوا دیا گیا۔ میں تیسرا مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ہوں لیکن میں نے ملک پر فوج کی آہنی گرفت مضبوط نہیں کی ہے۔

ہمارے پاس فرانس اور ترکی کی مثالیں بھی ہیں جہاں مسلح افواج کے لئے آئین میں ایک معین کردار موجود ہے۔ ہم نے ان دونوں دساتیر کا مطالعہ کیا ہے لیکن ان کے اپنے مخصوص سیاسی حالات ہیں اور ہمارے اپنے اب کوئی اسے پسند کرے یا نہ کرے اور یہ آئینی ہو یا نہ ہو پاکستان میں اقتدار ہمیشہ اس کے ہاتھ میں مرتکز رہے گا جو چیف آف اسٹاف کی کرسی پر بیٹھتا ہے۔ فوج کو پاک و صاف زبان دفادار سیاستدانوں کی ضرورت ہے۔ انہیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہیں تاکہ ملک کی سالمیت اور تحفظ کو خطرہ نہ لاحق رہے۔

سوال: آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ فوج کے لئے فوجی حکمرانی ٹھیک نہیں ہے۔

جواب: فوجی نوکرشاہی کا کردار ادا کرنے کے لئے تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ فوج اس وقت سے زیادہ جو شہری حکومت کو اقتدار منتقل کرنے تک کے لئے ضروری ہے اگر حکومت پر قابض رہتی ہے تو فوج سیاست میں ملوث ہوتی ہے، اور سیاست فوجی کی زندگی کا جزو نہیں بننی چاہیئے۔

سوال: لیکن ایک دفعہ اگر فوجی حکومت قائم ہو جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ فوج کو سیاست سے کلی طور پر علیٰحدہ کر دیا جائے؟

جواب: نہیں۔ ہم ملوث ہیں شاید میری سبکدوشی کے بعد بھی ملوث رہیں۔ میرے اقتدار پر قابض ہونے کے نتیجے میں فوج پاکستان کی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کرتی رہیگی

سوال: ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو آپ نے حکومت پر قبضہ کیا تو اس پر کیا عالمی ردِ عمل تھا۔ کیا آپ پر جلد انتخابات کرانے کے لئے دباؤ ہے؟

جواب: کوئی بھی اور کسی قسم کا بھی دباؤ موجود نہیں ہے۔ برطانوی، امریکی اور جرمن پریس اب تک ہماری حمایت کرتا رہا ہے اور ہم نے اب تک جو کچھ بھی کیا۔ اس نے اس کی تعریف کی ہے۔ انہوں نے ہماری لعبض کمزوریوں کی بھی نشاندہی کی ہے اور کتی بار تبدیلیوں کے مشورے بھی دیتے ہیں۔ لیکن عام طور پر غیر ملکی پریس ہمارا حامی رہا ہے

میں سیاستدانوں کو مصروف رکھنا چاہتا ہوں

یہی صورتِ حال غیر ملکی حکومتوں کی بھی ہے۔

سوال: آپ نے بارہا یہ کہا ہے کہ انتخابات کے وقت پاکستان لاقانونیت اور تشدد کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ تو کیا انتخابات کا یہ مقصد نہیں ہے کہ تشدد سے گریز کر کے پُر امن ذرائع سے حکومت تبدیل کی جائے۔

جواب: اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ تبدیلی کا یہ عمل کس طرح بروئے کار لاتے ہیں۔ میرے عوام فطری طور پر بہت جذباتی ہیں۔ وہ ایک اچھے ہیرو کار ہیں لیکن بڑی حد تک انحصار اس بات پر بھی ہے کہ ان کی رہنمائی کس طرح کی جاتی ہے۔ اگر ان کے رہنما انہیں تشدد کی راہ پر ڈالیں گے تو وہ انتہائی متشدد ہوں گے یہ مسئلہ ۱۹۷۰ء سے جب کہ پاکستان کے پہلے عام انتخابات ہوتے تھے اسی طرح چل رہا ہے۔

سوال: کیا پاکستان میں دوسرے ملکوں کی نسبت عوام پر لیڈروں کا اثر زیادہ قوی ہے؟

جواب: یقیناً۔ پاکستان میں ناخواندگی کی شرح ۲۵ فیصد ہے اور ۸۰ فیصد عوام دیہی علاقوں میں رہتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے کبھی اپنی زندگی میں ٹرین کا سفر نہیں کیا، جہاز کی بات تو رہنے ہی دیں۔ یہ ایک بہت سادہ سی مثال ہے۔

سوال: اگر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ناخواندہ عوام یہ نہیں جانتے کہ وہ کسے ووٹ دے رہے ہیں کیا پاکستان کی حد تک یہ بات درست ہے؟

جواب: جی ہاں۔ ہماری ۷ کروڑ ۳۰ لاکھ کی آبادی میں سے تین کروڑ ووٹروں کا اندراج ہے۔ اور ووٹر بننے کے لئے تعلیمی قابلیت کی کوئی شرط نہیں ہے۔ صرف ۲۱ سال کی عمر ہونا ضروری ہے۔ اس صورتِ حال میں آپ سادہ لوح لوگوں کو سبز باغ دکھا کر آسانی سے بے وقوف بنا سکتے ہیں انہیں خیالی جنت دکھا کر جہنم رسید کر سکتے ہیں۔

سوال: ان حالات میں آپ کے ملک میں کیا جمہوریت ایک قابلِ عمل نظامِ حکومت بن سکتی ہے۔

جواب: جی ہاں — بالکل!

سوال: بدعنوان لیڈر زندگی کی ایک حقیقت ہیں۔ یہ صرف آپ کے نہیں دوسرے ملکوں میں بھی ہے۔ عوام کس طرح اس برائی سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔

جواب: میں جب جمہوریت کی بات کرتا ہوں تو اس کا مطلب مغربی جمہوریت نہیں ہوتی۔ جمہوریت مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے اور پاکستان میں اسے مقامی حالات کے مطابق اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ ہم نے بنیادی جمہوریت کا ایک بہت اچھا تجربہ کیا تھا لیکن جانے کیوں

اس کے صحیح نتائج نہیں نکلے۔ ایوب خان نے ایک پابند جمہوریت کی حدود میں یہ تجربہ کیا تھا۔ لہٰذا یہ سیاسی خلفشار کی صورت اختیار کر گیا۔ ہم ان دو انتہاؤں کے درمیان کی چیز تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سوال: کیا جمہوری اصولوں کی بنیاد پر ایک اچھی حکومت حاصل کی جا سکتی ہے جب کہ سیاستدان ذاتی مفادات کو قومی مفادات سے برتر قرار دیتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب اچھے جمہوری سیاستدانوں کا حصول ہے اور ہمارے پاس ایسے بہت سے لوگ ہیں ایک دفعہ اگر بے غرض قیادت آجائے، اور اعلیٰ ترین سطح پر اسے ایسا ہونا ہی چاہیئے، تو ہم ایک اچھی اور مستحکم حکومت حاصل کر سکتے ہیں۔ آدمی سربراہِ مملکت کی حیثیت سے جو عزت حاصل کرتا ہے وہ بہت کافی ہے۔ رہنماؤں کو کیا ضرورت ہے کہ وہ زیادہ دولت، بڑی حویلیاں یا مزید زمینیں حاصل کریں۔ تمام انسان لالچی نہیں ہوتے اور نہ ہی تمام سیاستدان ایسے ہیں۔

سوال: آپ انتخابات کب منعقد کریں گے؟

جواب: میں آپ کو ایک ہلکا سا خاکہ دے سکتا ہوں، کوئی معین تاریخ نہیں۔ ہم نے بہت عجلت میں حکومت پر قبضہ کیا تھا۔ فوج میں ہمیں حکومت چلانے کی تربیت نہیں حاصل ہوتی۔ میرا اپنا خیال یہ تھا کہ بڑی پارٹیاں انتخابی مہم کریں اور جو پارٹی جیتے، اُسے حکومت حوالے کر دی جائے لہٰذا حکومت حاصل کرنے کے بعد میں نے نوّے روز میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ اس وقت میں نے یہ اندازہ بالکل نہیں کیا تھا کہ سابقہ وزیر اعظم ورثے میں کس حد تک بدعنوانیاں اور انتخابات کی دھاندلیاں چھوڑ گئے ہیں میں نے اپنا سبق سیکھ لیا ہے۔ اور انتخابات کی کسی تاریخ کا اعلان نہیں کر رہا ہوں تاکہ پہلے گند صاف کر سکوں اور عوام کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں۔ تاہم میں نے خود کو سیاسی امیدوار کی حیثیت سے علیحدہ کر لیا ہے۔ آئندہ انتخابات مختلف پارٹیاں اسی شرط پر لڑ سکیں گی کہ وہ مجھے اور قوم کو یہ یقین دلائیں کہ یہ انتخابات مثبت نتائج کے حامل ہوں گے۔ میرے الفاظ میں انہیں (انتخابات کو) ایک ایسی پارٹی کو برسرِ اقتدار لانا چاہیئے جو ایک مستحکم حکومت قائم کر سکے۔

سوال: آپ نے سابق وزیر اعظم (ذوالفقار علی بھٹو) کو "ایول جینیس" اور جدید میکاولی قرار دیا ہے۔ آپ نے ان بدعنوانیوں کی کس حد تک ٹھوس شہادتیں حاصل کی ہیں۔

جواب: بھٹو کے سات سالہ نام نہاد جمہوری دور کی بدعنوانیوں اور بداعمالیوں کی ۳۰ سو صفحات پر مشتمل ضخیم رپورٹ تین جلدوں کی صورت میں موجود ہے۔ بھٹو نے ۱۹۷۷ء میں اپنی عظیم الشان کامیابی کی منصوبہ بندی اپریل ۱۹۷۶ء میں کی تھی۔ انہوں نے اپنی تحریر میں تفصیلی طریقہ کار بنایا تھا۔ بطور مثال انہوں نے اپنے حلقۂ انتخاب لاڑکانہ کو منتخب کیا اور اس طریقہ کار کی وضاحت کی کہ اُسے کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔ اس طریقہ کار میں پوری نوکر شاہی، تمام سرکاری ملازم اور دوسرے افسران شریک تھے۔

سوال: بھٹو نے ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلیاں کرنے کی کیوں کوشش کی جب کہ یقین کیا جاتا ہے کہ انہیں عوام کی بھاری حمایت حاصل ہے۔

جواب: اس وقت مجھے حقائق کا پورا علم نہیں تھا اور میں سمجھتا تھا کہ یہ ان کے ساتھیوں کی ضرورت سے زیادہ گرم جوشی کا نتیجہ ہے لیکن اب یہ حکومت کی فائلوں سے صاف طور پر واضح ہے کہ یہ پوری منصوبہ بندی اتفاقی نہیں تھی، وہ (بھٹو) ہر چیز کے پیچھے خود موجود تھا۔ ان کے حامیوں نے ضرورت سے زیادہ ردِ عمل کا مظاہرہ کیا لیکن اس یقین میں اُسے شبہ تھا کہ وہ بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کرے گا۔ وہ اوچھی حرکتوں کے بغیر یہ انتخاب جیت سکتا تھا۔

نتیجتاً عوام کا شور و غوغا، خلفشار اور سیاسی بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ میں نے سابق وزیر اعظم کو بتا دیا تھا کہ جب تک وہ امن و امان کی صورت حال بہتر نہیں بنانے اور ملک کو مستحکم نہیں کرتے، فوج کے پاس حکومت سنبھالنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ موجودہ تشدد اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے جو اس کے بعد ہونے والا ہے۔ کسی کے بھائی کو قتل کر کے اسی کے ملک میں اس کا لہو اچھال دینا کوئی آسان بات نہیں ہے، لیکن تشدد کے اس چار ماہ کے دور میں یہی کچھ ہوا۔

انہوں نے (بھٹو نے) مجھ سے کہا کہ میں فکر نہ کروں انہوں نے کہا کہ وہ پولیس اور سیکیورٹی فورس کے ذریعے صورت حال کو ٹھیک کر لیں گے لیکن انہوں نے کہا تھا کہ اگر اپوزیشن انتخابات جیت جائے تو فوج مارشل لاء نافذ کر دے۔ میں نے پوچھا اس صورت میں کہ اگر باضابطہ انتخابات میں کوئی اور پارٹی ووٹ لے کر کامیاب ہوتی ہے تو پھر میں مارشل لاء کس طرح نافذ کر سکوں گا۔ انہوں نے کہا کہ میری قوت اور اپنی ذہانت کے ساتھ وہ ایسا کر سکیں گے۔ ان کا ارادہ واضح تھا۔ وہ ایک پارٹی اور ایک شخص کی حکمرانی مسلط کرنا چاہتے تھے جب کہ باقی ملک انہیں غلام رکھنا تھا۔

سوال: بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد جو سیاسی بھونچال ہے۔ اس کے کیا معنی اخذ کرنے چاہئیں

جواب: اگر ایک سیاسی رہنما کے اعمال کا اس وقت جب کہ وہ اقتدار میں ہے محاسبہ کیا جا سکے، اگر اسے معلوم ہو کہ وہ پوری آزادی اور ملک کی دولت سے سیاسی کھیل کھیلنے کے لئے آزاد نہیں تو وہ ایک لیڈر کی حیثیت سے بہتر رویے کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ آزادی ذمہ داریوں سے مشروط ہے۔ اگر حکومت کے ڈھانچے ہی میں اس کا انتظام ہو تو مجھے یقین ہے سربراہانِ مملکت صحیح رویّوں کا مظاہرہ کریں گے۔ میں اچھا یا برا ایک عام فوجی کی طرح ہوں لیکن ۳۴ سال کی فوجی زندگی میں اگر میں نے ایک قدم بھی غلط اٹھایا ہوتا تو میں قابلِ گردن زدنی تھا کیونکہ میں قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔

سوال: آپ نے سیاسی سرگرمیوں، جلسوں اور تقریروں پر پابندی کیوں عائد کر دی ہے۔

جواب: صرف ملک میں تھوڑا سا مزید امن قائم کرنے کے لئے۔ اس لئے کہ آپ اخبارات کو دیکھیں تو ان میں بے معنی تقریروں کے علاوہ کچھ نہیں پائیں گے۔ سیاستدان میرے شکر گذار ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں بھی قدرے آرام کی ضرورت تھی۔

سوال: کیا آپ ان پابندیوں کو وقتاً فوقتاً نرم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

جواب: جی ہاں۔ کچھ عرصے کے لئے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم نے جو کہ اپنے چالیس سالہ تجربے کی وجہ سے ایک انتہائی کہنہ مشق سیاست دان ہیں مجھ سے کہا تھا کہ سیاستدان وہ جانور ہے جو اگر بیکار بیٹھ جائے تو انتہائی خونخوار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میں انہیں بھی مصروف رکھنا چاہتا ہوں۔

سوال: آپ کی حکومت کی فوری ترجیحات کیا ہیں۔

جواب: ہماری پہلی ترجیح دیہی علاقوں کو ترقی دینا ہے کیونکہ سابقہ حکومتوں نے گذشتہ تیس سالوں میں غریب کسان کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔ دوسرے نمبر پر صحت اور تعلیم کا مسئلہ ہے۔ ہم خود کو بہت سے ترقی پذیر

(باقی ص ۴۹ پر)

بھٹو کیس کا فیصلہ ہونیوالا ہے

ذیل میں ہم واپڈا کے ڈائریکٹر سیکیورٹی کا ایک گشتی مراسلہ پیش کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذمہ دار حکام مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف چلنے والے مقدمے میں فیصلے کے نتائج اور اثرات کے بارے میں کن کن خدشات میں مبتلا ہیں. غور طلب بات یہ ہے کہ اس مراسلے میں جن دو سابقہ مراسلوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صرف پانچ دنوں کے وقفے سے جاری ہوتے تھے یعنی ۸ مارچ ۱۹۷۸ء اور ۱۳ مارچ ۱۹۷۸ء، اور یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ یہ مراسلے لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو فیصلہ سنائے جانے سے پہلے جاری ہوتے تھے. موجودہ مراسلہ بھی اس دوران جاری ہوا ہے جب کہ سزا یافتگان کی اپیلیں زیر سماعت ہیں اور استغاثے کو ابھی اپنا موقف پیش کرنا ہے.

(ادارہ)

واٹر اینڈ پاور ڈیولپمنٹ اتھارٹی
(سیکیورٹی ڈائریکٹیو)
نمبرا (۲) سیکیورٹی/ ۲۷۳/۲۷ ۲۸۷-
مورخہ ۷۸-۸-۱۹

تمام جنرل مینجروں
تمام چیف انجینئروں
تمام پروجیکٹ ڈائریکٹروں
کے نام

موضوع :- نواب محمد احمد خاں کے مقدمہ قتل میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد امن امان کی صورت حال پر کنٹرول

مذکورہ بالا مقدمے میں سپریم کورٹ کی جانب سے فیصلے کا اعلان جلد متوقع ہے. سپریم کورٹ کے فیصلے کے نتیجے میں کسی امن امان کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے لازمی ہے کہ واپڈا کے تمام اہم مقامات پر حفاظتی سیکیورٹی کے بندوبست کو مستحکم کیا جائے. حکام بالعموم اور سیکیورٹی اسٹاف بالخصوص پر لازم ہے کہ کسی ممکنہ تخریبی کارروائی سے بچاؤ کے لئے اور زیادہ چوکسی سے کام لیں. بڑے پروجیکٹوں پر متعین سیکیورٹی افسران اپنے ڈیوٹی کے مقام پر لازماً موجود رہیں اور جب تک ہنگامی صورتحال ختم نہ ہو انہیں کوئی چھٹی نہ دی جائے. تمام اہم مقامات پر مستقل پہرہ داروں کی تعیناتی جاری رہنی چاہیے جن پر لازم ہوگا وہ رات اور دن اور زیادہ چوکس رہیں. سیکیورٹی افسروں/ تنصیبات کے نگران افسروں کو چاہیئے کہ وہ ان پہرہ داروں کا تھوڑے تھوڑے وقفوں سے جائزہ لیتے رہیں تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ وہ اپنے فرائض صحیح طریقے پر انجام دے رہے ہیں. اہم مقامات کے مالکوں/ سیکیورٹی افسروں پر لازم ہے کہ وہ اس بارے میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں نیز مقامی مارشل لاء حکام سے قریبی رابطہ جاری رکھیں. اہم مقامات کے تمام مالکوں کی توجہ حسب ذیل مراسلات کی طرف سختی کے ساتھ تعمیل کے لئے مبذول کرائی جاتی ہے.

۱- ڈی دایس)/ا(۱۲) سیکیورٹی/ ۹۲۷-۸۲۷ مورخہ ۸ ۳/۷۸
۲- ڈی دایس)/ا(۱۲) سیکیورٹی/ ۱۱۱۳-۱۰۱۳ مورخہ ۱۳/۳/۷۸

دستخط
لفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ)
ڈائریکٹر سیکیورٹی
(ایم اسلم مرزا)

نقل برائے اطلاع وتعمیل
تمام پروجیکٹ سیکیورٹی افسران واپڈا

مارشل لاء کا نفاذ فوری طور پر ختم ہو جانا چاہئیے جنرل اعظم

عوام کی تذلیل کی گئی ہے، وہ غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں

اگست ۱۹۷۸ء بھی ویسا ہی ہے، جیسے گزرنے والے اگست تھے

خدا کے فضل و کرم سے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام برِصغیر ہند کے مسلمانوں کی ایک علیحدہ وطن کے لئے صبر آزما طویل جدوجہد اور اس کے نتیجے میں قربانیوں کے طفیل عمل میں آیا۔ پاکستان کو ایک ایسی سرزمین بننا تھا جس میں شہریوں کو غیر ملکی سامراجیوں کے جبر اور سازشوں سے پاک ایک آزاد اور باوقار زندگی نصیب ہو۔ یہ نصب العین بالآخر قائداعظم محمد علی جناح کی پُرشکوہ اور ولولہ انگیز قیادت میں حاصل ہوا۔ بدقسمتی سے وہ زیادہ عرصے زندہ نہ رہے اور ہمیں وہ ڈھانچہ نہ دے سکے جس کے اندر نوزائیدہ مملکت سے وابستہ اعلیٰ توقعات کی تکمیل ہو سکتی۔ جناح صرف رہنما خطوط چھوڑ سکے جس پر ہمیں تعمیر کرنی تھی۔

ہم انتہائی افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ قوم بحیثیتِ مجموعی آج بھی غربت اور احتیاج سے پاک آزاد، منصفانہ اور باوقار زندگی کے اعلیٰ نصب العین سے اتنی ہی دور ہے جتنی کہ پہلے تھی۔ حقیقتاً نہ صرف یہ کہ ہم بروقت ضروری اداروں کے خاکے مرتّب کرنے میں ناکام رہے بلکہ ہمیں خود اپنے ملک اور قوم کو خود اپنے ہاتھوں بکھرنے کی بدنصیبی سے گذرنا پڑا۔ تمام محبِّ وطن شہریوں کے لئے بچے کھچے پاکستان کا مستقبل اب قیاس آرائیوں کا موضوع نہیں بلکہ ایک سنجیدہ مسئلہ ہے ہم اپنے طور طریقوں میں بھٹک رہے ہیں۔ ماضی سے وہ سبق سیکھنے سے انکار کر رہے ہیں جو انتہے نمایاں طور پر آشکار ہیں۔ اس لئے ہمارا یوم آزادی جس قدر پُرمسرّت دن ہے اُسی قدر تنقیدی جائزہ لینے کا بھی دن ہے۔ اس لئے میں اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند ایسے بنیادی مسائل اٹھا رہا ہوں جو ہماری فوری توجہ کے مستحق ہیں۔ ہمیں خود سے یہ سوال کرنا چاہیئے، بہترین عوام اور زمین رکھنے کے باوجود ہم کیوں ناکام رہے ہیں۔ ہمارے انتہائی بہادر اور محبِّ وطن عوام کو جبر اور استحصال کے جوے میں مسلسل جوتا گیا ہے کیا یہ اذیّت ناک زندگی ہی ہمارا مقدّر ہے، کیا ہمیں غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے جدوجہد نہیں کرنی چاہیئے ۱۴ اگست وہ دن ہے جس دن ہم نے برطانوی سامراج کا جوا اتار پھینکا تھا لیکن مجھے بڑے بوجھل دل کے ساتھ یہ بات کہنی ہے کہ کروڑوں پاکستانی عوام کے لئے اس پھندے سے نجات کا دن ابھی نہیں آیا ہے، جو ہم نے خود کسا ہے اور جو شاید پہلے سے زیادہ ذلت آمیز اور استحصالی ہے۔ یہی وہ فریضہ ہے جس کی طرف ہمیں اپنی تمام توانائیوں کو مرکوز کر دینا چاہیئے۔

غیر ملکی سامراجی اور استحصالی ہو سکتا ہے کہ اپنے رویّے میں زیادہ لچک دار رہا ہو۔ لیکن اُسے آسانی سے شناخت کر لیا گیا اور نکال باہر کیا گیا۔ لیکن ہمارے اندرونی دشمن کئی بہروپ بدل کر آتے ہیں اور انہیں نکالنا زیادہ مشکل ہے۔ اس طرح پاکستان کو آمریت کے ایک لمبے سلسلے سے واسطہ پڑا اور اس نے کئی شخصیت پرستوں کو ابھرتے دیکھا ہے۔ یہ تمام اپنا وقت پورا کرکے مٹ گئے لیکن ہمارے قومی آزادی اور عزتِ نفس کے احساس کو تقریباً ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کے بعد، ہم پر صرف ایک طبقے، حکمران طبقے نے حکومت کی ہے۔ اس کے ارکان کے روپ مختلف ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان میں ایک قدر مشترک رہی ہے، یعنی یہ خواہش کہ پاکستان کے عوام کو اپنے مخصوص مفادات کا تابع رکھا جائے، اقتدار اور دولت پر قبضہ کیا جائے اور اس قبضے کو برقرار رکھا جائے۔ وہ چاہے اعلیٰ سول حاکم ہو، جاگیردارانہ ذہنیت رکھنے والا زمیندار، اعلیٰ فوجی افسر ہو یا صنعت کار۔ ان سب نے اس دولت کو، جو بجا طور پر قومی ملکیت تھی، اپنی ذاتی دولت تصوّر کیا ہے اور اسے ایسے مطلق العنانہ طریقے پر برتا ہے۔ جس کو صرف ایسا ہی نکتۂ نظر جائز قرار دے سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے غیور عوام کی تذلیل کی گئی ہے اور انہیں غلاموں کو ہانکنے والوں کی غضب ناکی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ اس قوم کے لئے موزوں تقدیر نہیں ہو سکتی جو اسلام، انصاف اور آزادی کے نام پر بے مثال قربانیاں دینے کے بعد وجود میں لائی گئی تھی۔

گو کہ اس تمام عرصے میں پاکستان ایک آزاد ملک رہا ہے مگر یہ ایک آزاد قوم کبھی نہیں رہا۔ معاشی استحصال سماجی استبداد اور سیاسی جبر جو ہماری نوآبادیاتی اور جاگیردارانہ وراثت کا حصّہ رہا ہے۔ اس کے بت خانے کو نہ صرف بڑی احتیاط کے ساتھ برقرار رکھا گیا ہے بلکہ

یوم آزادی کے موقعے پر جہاں اور لوگوں نے حسبِ توفیق اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار کیا وہیں پاکستان جناح لیگ کے کنوینر لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان صاحب نے بھی ایک بیان جاری کیا۔ تعجب کی بات یہ ہوئی کہ نظریۂ پاکستان کے نام نہاد علمبردار اخبارات و جرائد نے اس بیان کا بلیک آؤٹ کیا۔ حالانکہ جنرل موصوف بھی جنرل ہیں۔ شاید ٹائرڈ ہونا ان کے آڑے آیا۔ بہرحال مذکورہ بیان ہم پیش کر رہے ہیں۔ تاخیر ہی سے سہی — !

(ادارہ)

آمریت کا طویل سلسلہ، عزتِ نفس اور ملک کی تباہی

اس کو مزید توسیع دی گئی ہے۔ معاشی استحصال کے میدان میں نوکرشاہی۔ جاگیردار۔ زمیندار اور صنعتی سرمایہ دار نے طویل عرصے سے اتحاد کر رکھا ہے جس کی بنیاد یکساں مفادات کی تکمیل پر ہے، یعنی جائیداد کا حصول اور اس پر قبضہ برقرار رکھنا، اس اتحاد کو تقویت اس حقیقت سے ملتی ہے کہ وہ ایک مشترکہ سماجی اور تعلیمی پس منظر کے حصہ دار ہیں۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ معاشی سرگرمیوں کے میدان پر نجی کمپنیوں کی اجارہ داری ہے یا کارپوریشنوں کو ریاست چلا رہی ہے۔ دونوں ہی طریقوں سے پھندہ مکمل ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کا کام چلاتے رہنے کے لئے نوکرشاہی اور صنعت کار آپس میں قریبی اتحاد کے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں چونکہ سرمایہ داروں اور ان کے اتحادیوں، نوکرشاہی کے مفادات دنیا بھر میں ایک جیسے ہیں۔ اس لئے ہمارے ہاں غیر ملکی امداد پر ضرورت سے زیادہ انحصار اور بھاری سرمائے سے قائم ہونے والی درآمد کی محتاج صنعتوں کے قیام کے ذریعے پاکستان کی معیشت کو بڑی احتیاط کے ساتھ بین الاقوامی سامراجی جال میں جکڑ دیا گیا ہے جن صنعتی اور زرعی پالیسیوں پر عمل کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزدوروں اور کسانوں کو اور ڈبو دیا ہے۔ ان کا مقصد یہ نہیں رہا ہے کہ تمام لوگوں کو باعزت معیارِ زندگی کے ساتھ روزگار فراہم کیا جائے بلکہ کم سے کم قیمت پر اُن کی محنت کو نچوڑ لیا جائے۔

سیاسی محاذ پر کرسیٔ اقتدار پر اپنے قبضے کو جاری رکھنے کے لئے ہر حکمران نے اپنا خاندانی سلسلہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے کہ پاکستان شاہی ریاست ہو نہ کہ جمہوریہ جس کی تشکیل کی ہم اتنی شدید تمنا رکھتے ہیں اسلامی اور جمہوری نصب العین کے زبانی قصیدے پڑھے گئے جب کہ حقیقتاً طبقاتی منافرت کی تبلیغ کی گئی اور ننگی فریب کاری پر عمل کیا گیا جس نے ہمیں بار بار تباہی کے کنارے پہنچایا ہے۔ ہمارا سیاسی منظر نامہ ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے محلاتی سازشیں۔ مختلف اور متضاد بیانات، واضح نعرے اور جوابی نعرے، یہ تمام ہتھکنڈے اقتدار کے بھوکے سیاستدان استعمال کر کے قوم کو حیران کرتے رہے۔ ایک بار بھی کبھی صحیح معنی میں ایسے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات نہیں ہوتے جس میں قوم آزادانہ اور غیر متعصب انداز میں اپنے ایسے نمائندے منتخب کرنے کے لئے اپنا حق رائے دہی استعمال کر سکے جن کے اطوار سے وہ بخوبی واقف ہو۔ ہر حکمران نے عوام کو پس پشت ڈال کر اپنی ذاتی خواہشات کے مطابق اپنا جانشین نامزد کیا۔ ہمارے ملک میں نام نہاد جمہوری نظام حکمران گروہ کی خواہشات کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔ یہ اگست ۱۹۷۸ء میں بھی اسی قدر درست ہے جیسا کہ گذرنے والے ہر اگست میں رہا ہے

آج پاکستان میں ایک فوجی حکومت ہے جسے مزید قتل اور خونریزی کو روکنے کے لئے ضرورتاً مداخلت کرنی پڑی۔ ہم تمام ان کی بروقت مداخلت کو سمجھتے ہیں اور اس بات سے بھی متفق ہیں کہ ان کی ذمہ داری اس حد تک محدود ہے کہ انتخابات منعقد ہونے سے پہلے جس حد تک ممکن ہو سیاسی طور پر دھماکہ خیز صورتِ حال میں کمی کریں اور غیر جانبدارانہ اور منصفانہ احتساب کرے۔ لیکن انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے

کیا ہمیں غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لئے جد و جہد نہیں کرنا چاہیئے

کہ وہ عوام کے انتخاب کو پس پشت ڈال دیں اور سیاسی جماعتوں کو برسرِ اقتدار لائیں جس کی بنیاد صرف وہ مشترکہ درپردہ مقاصد ہیں جن کے بارے میں صرف وہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر سیاسی جماعتوں کو ہی اقتدار میں لانا تھا تو اس کا صاف اور سیدھا طریقہ غیر جانبدارانہ انتخابات تھے۔ ایک سال قبل یہ میں ہی تھا جس نے مطالبہ کیا تھا کہ منصفانہ انتخابات صرف ایک غیر جانبدار انتظامیہ کے ماتحت ہی ہو سکتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چور دروازے سے حالیہ سیاسی داخلے کے پس پشت صرف ایک مقصد کارفرما ہے کہ انتظامیہ کو ایسے لوگوں سے بھر دیا جائے جو ایک خاص سیاسی نقطۂ نظر کے حامی ہیں اور ان کے مخالف ہیں جو مقدمات کی نذر میں معلوم ہوتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ تیری فوجی

حکومت کے منصفانہ احتسابی عمل میں، بشرطیکہ اُس نے خود اسے ایک فریب نہ بنا دیا ہو، رکاوٹ پڑ سکتی ہے۔ دوسری بات کہ پاکستان کے عوام نے ان سیاسی تقرری پانے والوں کو حکومت کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔ عوام نے ماضی میں انتہائی جرأت مندانہ طریقے پر آمروں کی مخالفت کی ہے اور بے دریغ اپنا خون اور جانیں دے کر ان کا تختہ الٹا ہے اس طرح انہوں نے تسلطائی طریقوں سے اپنی شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ نامزدگی کا حالیہ غیر جمہوری طریقہ قوم پر کیا اثر ڈالے گا۔ قوم یہ محسوس کرتی ہے کہ اس کی توہین کی گئی ہے، اس کے وقار کو مجروح کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ فریب در فریب کیا گیا ہے۔ اسے ایک بار پھر راتے دہی کے جمہوری حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ آخری بات یہ کہ وہ سیاسی جماعتیں جنہیں مارشل لاء کی چھتری تلے چور دروازے سے اندر داخل کیا گیا ہے

عوام نے فوج کو سیاسی تقرریاں کرنے کا اختیار نہیں دیا — !

وہ آئندہ انتخابات میں ان کی مخالفت کرنے والوں پر ناجائز برتری حاصل کرنے کے لیے ہر حد کو پار کر جائیں گے۔ اس طرح منصفانہ انتخابات کی اُمید مستقبل بعید پر ٹل گئی ہے۔ یہ قوم کے لئے انتہائی حوصلہ شکن خیال اور ملک کے سیاسی اور معاشی استحکام اور قومی سالمیت کے لئے خطرناک ہے۔ یہ نقصان دہ اور غیر جمہوری سیاسی نامزدگیوں کا طریقہ موجودہ گروہ بندیوں کو مزید ہوا دے گا اور اسے خطرناک سطح تک لے جائے گا۔

جب کہ اسی صورتِ حال کو روکنے کے لئے فوج نے مداخلت کی تھی۔ فوجی حکومت جو کردار کے اعتبار سے دائیں بازو کی ہے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جس حد تک ممکن ہو وہ غیر جانبدار ریفری کا کردار ادا کرے یہ قوم کا فرض ہے جو اس پر واجب ہے۔ فوج کا وقار اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ابتداً میں قوم سے کئے گئے اپنے وعدے، غیر جانبدار اور غیر سیاسی رہنے کے وعدے کی پابندی کرے۔

میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ لیکن ایک بات کا یقین رکھتا ہوں کہ ہمیں اپنے سیاسی اور نوکرشاہانہ طرزِ حکومت کی تشکیلِ نَو کرنی پڑے گی۔ قوم اس بات کی اجازت نہیں دے گی کہ اس مسئلے کو مزید التوا میں ڈالا جائے۔ ہم قوم کے سیاسی فہم اور شعور انصاف کی طرف اس طرح کے مخاصمانہ عدم احترام کا مزید مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ میں اپنا ۲۲ جون ۱۹۷۸ء کا مطالبہ دُہراتا ہوں کہ اگر صورتِ حال اس قدر حسبِ معمول ہے کہ سول حکومت کے بعجلت مسلط کئے جانے کا جواز بن سکے تو فطری نتیجے کے طور پر مارشل لاء کا نفاذ فوری طور پر ختم ہو جانا چاہیئے۔

جن لوگوں کو لایا گیا ہے اُن کی اکثریت عوام کے صرف ایک طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ جاگیردار اور صنعتی وڈیرے، حکمران طبقہ۔ جو اقتدار اور دولت کا استحصال کرتا ہے۔ پاکستان کی عظیم اکثریت، غربت زدہ کسانوں اور مزدوروں کا کیا بنا۔ کیا انہیں اپنے مستحق نمائندوں کے ذریعے حکومت کرنے کا حق نہیں ہے یا پاکستان میں جمہوریت کو صرف اس مبتذل ضرب المثل کو پہنچانا ہے "حکمرانوں کی، حکمرانوں کے ذریعے، حکمرانوں کے لئے۔" کیا سیاسی اقتدار صرف چند دولت مندوں کا خدمت گار رہے گا جو اپنے پالتو افراد کے ذریعے اپنی ناجائز طریقوں سے حاصل کردہ بنیاد پر حکومت کریں گے، کیا قوم نے پیشہ ور بادشاہ گروں کی پسند کے لوگوں کا تختہ الٹنے کے لئے کافی طویل جدوجہد نہیں کی ہے کیا انہوں نے ایک باوقار زندگی کے حصول کے لئے کافی خون نہیں دیا ہے کہ ہم ان پر ایک بار پھر وہی غلیظ صورتِ حال مسلط کریں گے جسے تبدیل کرنے کے لئے انہوں نے اتنی سخت لڑائی لڑی ہے؟ تاریخ کی لہر کا رُخ الٹی طرف نہیں موڑا جا سکتا۔ پاکستان کو اپنے وجود کے لئے درمیانی راہ تلاش کرنی پڑے گی اور وہ بھی سیاسی عمل کے ذریعے۔ اگر ہم ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف دھکیلے جاتے رہے تو صرف تباہی ہی آ سکتی ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح ایک انتہائی خیر اندیش اور دستور پسند سربراہِ مملکت تھے۔ ان کی روایات کی پیروی کرتے ہوئے قوم صرف جمہوری عمل کو مستحکم کرنے کی توقع کرتی ہے۔ سیاسی مستقبل کے بارے میں انتخابات کے وقت اور طریقہ کار کے بارے میں جاننا اس کا حق ہے وہ محدود جمہوریت کے کسی بھی اقدام کی ویسی ہی مخالفت کریں گے جیسی انہوں نے ماضی میں کی تھی۔

مجھے اپنی قوم کو اُس کی بے خوفی اور جرأت کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیئے۔ جس نے اپنے مقدس مقاصد کے حصول کے لئے کسی بھی قربانی کو بڑی قربانی تصور نہیں کیا۔ میں ان کی ضرورت کے ہر لمحے میں اُن کے ساتھ کھڑا رہوں گا۔ ہم مل جُل کر ہی ایک مضبوط اور خوشحال پاکستان تعمیر کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے تمام پڑوسیوں سے خوشگوار تعلّقات رکھنے کے خواہش مند ہیں جب کہ ہر اُس بیرونی دباؤ کا مقابلہ کریں گے جو ہماری خود مختاری میں مداخلت کے مترادف ہو۔ ہم صرف اس صورت میں دوسروں کے ہمیں حکم دینے کا مقابلہ کر سکتے ہیں یا بیرونی حملے کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جب کہ ہم داخلی طور پر مضبوط، مستحکم اور صحیح معنی میں متحد ہوں۔ ہم اپنے عوام کی استعداد کو بھرپور طریقے پر بروئے کار لا سکتے ہیں جب کہ اقتصادی اور سیاسی ڈھانچہ منصفانہ ہو، جابرانہ نہ ہو، جسے صرف چند لوگوں کی ضرورت کی تکمیل کا آلہ نہ بنایا گیا ہو۔ یہی وہ چند لوگ ہیں جنہوں نے ماضی میں اپنے خود غرضانہ مفادات کو وسیع قومی مفادات پر ترجیح دی ہے اور اب بھی دے رہے ہیں۔ پیداوار میں اضافے کی اونچی شرحیں، بینکوں کے عمّال کا پھلتا پھولتا اور چمکتی دمکتی کاریں معاشی خوشحالی کی گمراہ کن علامتیں ہیں! اصل خوشحالی صرف اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب کہ ہمارے کروڑوں تباہ حال بھائیوں کی بنیادی ضروریات کی تکمیل باوقار اور مساویانہ انداز میں ہو، ورنہ عدم مساوات بڑھتی جائے گی اور ہم اپنی کم نظر ذہنی کیفیت میں خود کو ایسی صورتِ حال میں پائیں گے جس پر قابو پانا ممکن نہ ہو گا طبقات اور علاقوں کے درمیان عدم مساوات میں کمی ہی وہ ذریعہ ہے جو مستقبل میں سیاسی استحکام کا ضامن بن سکتا ہے۔ ہمارے نو آبادیاتی ماضی کی یادگاریں استحصالی نظام ہی کے لئے موزوں تھیں اس لئے انہیں مسمار کر دینا چاہیئے تاکہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے پاکستان کی تعمیر کی راہ ہموار ہو سکے۔ ہمارا نو آبادیاتی ڈھانچہ جس کی بڑی مثال ہماری موجودہ نوکر شاہی اور اقتصادی اور

سیاسی اشرافیہ ہے صرف "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی میکیاولی سیاست ہی کو بڑھاوا دے سکتی ہے۔

آج قوم بیدار ہے۔ سیاسی طور پر باشعور ہے اور اپنی سیاسی آزادی کے حصول کے لئے پُرزور جدوجہد کرنے کے عزم کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ ملک میں جمہوری طاقتیں مضبوط ہیں اور قوم کی اپنی خودمختاری کی بحالی کی جدوجہد میں شانہ بشانہ ہیں جس کے بغیر نہ تو کبھی اطمینان پیدا ہو سکتا ہے، نہ ہی ملک میں امن، تحفظ استحکام اور اتحاد قائم ہو سکتا ہے نہ ہی ہمارے قومی مقاصد کے حصول کے سلسلے میں صحیح معنی میں کوئی پیش رفت ہو سکتی ہے۔ یہ ان لوگوں کے درمیان لڑائی نہیں ہے جو اقتدار میں ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں۔ دراصل یہ ہمارے پاکستان کے ۷ کروڑ عوام حیات و موت کی جدوجہد ہے جو انسانی وقار، آزادی، سماجی، اقتصادی انصاف اور ایک صحیح معنی میں اسلامی مملکت کے قیام اور نظریۂ پاکستان کی تکمیل کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہمارے عوام غلامی اور جبر کے حالات کو مزید برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ناانصافیوں کو درست کیا جانا چاہیئے اور انتظامیہ کے نظام کو ایک آزاد قوم کے مزاج اور اس کی ضروریات کے مطابق نئے سانچے میں ڈھالنا چاہیئے۔

پاکستان کے عوام کو ان کی مکمل خودمختاری اس کے تمام لوازمات سیاسی آزادی، مکمل بنیادی حقوق اور ایک ایسا دستور جو صحیح معنی میں ان کی خواہشات اور عقائد سے مطابقت رکھتا ہو، کے ساتھ حاصل ہونی لازمی ہے۔ انہیں یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ ملک کے معاملات کو چلائیں اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے اپنے آزاد ارادے سے حکومت تشکیل دیں۔ عوام کو فیصلہ کرنے کی قوت سے عاری ہاں میں ہاں ملانے والے تصور نہیں کیا جانا چاہیئے۔ قومی سیاست کو اس غلاظت سے نکالنا چاہیئے۔ وقت کا شدید تقاضہ ہے کہ عوام کو اپنی منزل کے تعین کی اجازت دی جائے۔ ہم پر لازم ہے کہ آزادیٔ صحافت اور آزاد عدلیہ کے ساتھ ساتھ آزاد جمہوری ادارے تعمیر کریں۔ قوم کو مخلص، دیانتدار اور توانائی سے بھرپور قائدین کی ضرورت ہے وہ ایک بہتر تبدیلی چاہتی ہے جس میں جمہوریت کی تبلیغ نہیں بلکہ اس پر عمل ہو۔ پُرامن اور دستوری طریقوں سے یہ تبدیلی لانے کے لئے ہمارا فرض ہے کہ پورے خلوص اور ایمانداری کے ساتھ متحد ہوں تاکہ موجودہ عظیم سیاسی اور اقتصادی بحران کا حل تلاش کیا جا سکے۔

پاکستان پائندہ باد،

ترہ کی کا انٹرویو

ہم مظلوموں کو ظالموں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے

ترجمہ: افضل جنجوعہ

س:۔ میں آپ سے آپ کی نجی زندگی کے بارے میں کچھ سوال کروں گا۔ بمبئی میں آپ کہاں رہا کرتے تھے؟

ج:۔ محمد علی روڈ کے ایک مکان میں۔

س:۔ کیا وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا؟

ج:۔ یہ مکان ایک فروٹ کمپنی کی ملکیت تھا۔ کافی بڑی جگہ تھی۔ میں کمپنی سے ۴۵ روپے ماہوار تنخواہ پاتا تھا۔

س:۔ اتنی تھوڑی تنخواہ میں آپ گذارہ کیسے کرتے تھے؟

ج:۔ میں تو مہینے بھر میں صرف دس روپے خرچ کرتا تھا اور باقی افغانستان میں اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کو بھیج دیا کرتا تھا۔

س:۔ آپ صرف دس روپے میں مہینہ بھر گذارہ کر لیتے تھے؟

ج:۔ ہاں میرے لئے اتنی رقم کافی تھی۔ زمانہ بھی کچھ سستا ہی تھا۔

س:۔ کیا بمبئی میں آپ کو کبھی کسی تکلیف کا بھی سامنا کرنا پڑا؟

ج:۔ نہیں۔ میں برسرِ روزگار تھا۔ میری عمر ۱۹ سال تھی۔

س:۔ آپ نے بمبئی میں طویل عرصے تک قیام کیا۔ بمبئی سے کچھ خوشگوار یادیں بھی وابستہ ہوں گی؟

ج:۔ ضرور۔ میں ایک مشن اسکول میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ جو کرانفورڈ مارکیٹ کے نزدیک ایک شبینہ اسکول تھا۔ میں میٹرک کا امتحان نہ دے سکا۔ کیونکہ ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ میں زلزلہ میں میرے والد فوت ہو گئے۔ میں مجبوراً ۱۹۳۷ء میں افغانستان لوٹ آیا۔ بمبئی سے میری کئی خوشگوار یادیں وابستہ ہیں۔ مجھے گیٹ وے آف انڈیا پر بہت لطف آتا تھا۔

س:۔ اور میرین ڈرائیو؟

ج:۔ میرین ڈرائیو مجھے زیادہ پسند نہ تھا، مجھے تو گیٹ آف انڈیا زیادہ اچھا لگتا تھا۔ وہاں پر گرین ہوٹل تھا اور تاج محل بھی۔

س:۔ خوب۔ آپ کبھی ان ہوٹلوں میں گئے؟

ج:۔ نہیں۔ میرے پاس اتنے پیسے ہی نہ ہوتے تھے۔ میں باہر ہی سے ان ہوٹلوں کو دیکھا کرتا تھا۔

س:۔ اس دوران میں آپ نے کوئی مقامی زبان بھی سیکھی؟

ج:۔ [illegible] تھوڑی اردو سمجھنے لگا تھا۔

[illegible] اپنے [illegible] دوست بھی ہوں۔

گے۔ کیا آپ کو اب بھی وہ لوگ یاد نہیں ؟

ج :۔ میرے کافی دوست تھے۔ جو مجھے اب بھی اچھی طرح یاد ہیں۔ مگر پتہ نہیں اب وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ خاص طور پر وہ جو پھل بیچا کرتے تھے۔

س :۔ آپ اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا کرتے تھے ؟

ج :۔ نہیں بھائی۔ میں پھل بیچا کرتا تھا۔

س :۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے ؟

ج :۔ جی ہاں مجھے اپنے ماضی کے یہ دن اچھی طرح یاد ہیں۔

س :۔ کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ کی زندگی کے اس دور میں یا بعد میں کس نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ؟

ج :۔ ان دنوں میں کانگریس کی کارروائیوں کا بڑی گہری نظر سے مشاہدہ کیا تھا۔ مجھے پنڈت نہرو اچھے لگتے تھے۔ لیکن کابل واپس آنے کے بعد میں نے ترقی پسند ادب کا مطالعہ کیا اور مجھے روشنی مل گئی۔

س :۔ کیا آپ نے گاندھی جی کو بھی پڑھا تھا ؟

ج :۔ ہاں۔ مگر تھوڑا تھا۔ ترقی پسند ادب کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ جس نے مجھے جنگ کے دوران جرمن فاشسٹوں کا مخالف بنا دیا۔ اس وقت میں باختر نیوز ایجنسی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

س :۔ مگر اس وقت افغان تو ہٹلر کے حامی تھے ؟

ج :۔ ہاں افغان کے حکمران ہٹلر کی حمایت میں ہی تھے۔ مگر کچھ لوگ اس کے مخالف بھی تھے۔ میرے ڈائریکٹر نے برلن میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ میرا خوب مذاق اڑاتا تھا وہ خود ہٹلر سے بھی زیادہ بڑا فاشسٹ تھا۔

س :۔ اور آپ اس کی ماتحتی میں کام کرتے تھے ؟

ج :۔ جی ہاں اس کی ماتحتی میں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا تم کیا میں جانتا ہوں تم کون ہو۔ لیکن انہوں نے مجھے نوکری سے نہیں نکالا۔ غالباً ان کو میرے کام کی ضرورت تھی۔ ۱۹۳۹ء کے بعد میں جاگیردارانہ نظام کے خلاف لکھنے لگا۔ میں نے جو پہلا ناول لکھا اس کا نام تھا "بتیرا پایا تے دوئی" یعنی بگڑا ہوا بیٹا۔ یہ ناول کابل کے ایک جریدے میں قسط وار شائع ہونے لگا۔ مگر چار قسطیں ہی چھپی تھیں کہ سنسر ہو گیا۔

س :۔ کیا آپ کی یہ کتاب اب مل سکتی ہے ؟

ج :۔ نہیں! مشکل ہے۔ اس کے صرف تین حصے چھپنے پائے تھے۔ چوتھا سنسر کی نذر ہو گیا تھا۔ اس کے کچھ اور بھی حصے تھے۔

س :۔ کیا آپ نے بعض سیاسی کتابیں بھی لکھی ہیں ؟

ج :۔ میں نے "خلق" میں کچھ مضامین لکھے تھے۔ میں آپ کو یہ اختیار دوں گا۔ آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ سیاسی ہیں یا غیر سیاسی۔ جی ہاں میرے خیال میں یہ سیاسی بھی ہیں اور نظریاتی بھی۔

س :۔ صدر کی حیثیت سے آپ کتنا مشاہرہ لیتے ہیں ؟

ج :۔ ابھی تک تو مجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ میں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کیا دیں گے۔ وہ صرف میرے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ بس اور کچھ نہیں۔

س :۔ کیا آپ اپنی تنخواہ خود مقرر کر سکتے ہیں ؟

ج :۔ نہیں۔ انقلابی کونسل ہی میرے اور دیگر وزراء کے مشاہرے کا فیصلہ کرے گی۔ مگر ایک بات میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ میرے اور میرے وزراء کی کارگزاری کا انداز و فکر بود و باش جاگیردارانہ نظام کے وزراء سے بالکل مختلف ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ ہم اپنے عوام کی خاطر سادہ زندگی ہی بسر کریں گے۔ ہمارے ہاں غربت بہت زیادہ ہے۔ میں بمبئی میں فٹ پاتھ پر رہنے والے اپنے غریب ہندوستانی دوستوں کو فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ہر وقت یاد رہتے ہیں۔ مجھے ان افغانوں سے سخت نفرت ہے جو ان سے سود لینے آیا کرتے تھے۔ ہم اپنے ان مظلوم اور غریب افغانوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ اور وہ جو فٹ پاتھ پر بغیر سائبان بغیر کپڑوں کے اپنے بچوں کے ہمراہ رہنے والوں کا استحصال کرتے ہیں ان کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ یہ ظالم پٹھان ان غریبوں کے پاس ڈنڈا لے کر جاتے ہیں اور اپنی رقم اور اس رقم کے سود کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مجھے دنیا بھر کے غریب عوام سے محبت ہے

س :۔ ہاں آپ کو ان کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔

ج :۔ جی ہاں! ہم مظلوموں کو ظالموں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ مجھے ان استحصال کرنے والوں سے سخت نفرت ہے۔ وہ یہاں ہوں یا ہندوستان میں یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں۔ اسی طرح میں دنیا کے ہر مقام کے غریب عوام کو بھی نہیں بھول سکتا۔ وہ سب میرے اپنے ہیں۔

س :۔ آپ ہندوستانی حکومت اور عوام کو کوئی پیغام دینا پسند کریں گے ؟

ج :۔ اپنی حکومت اور اپنے عوام کو میرا سلام کہیئے گا۔ انہیں بھی استحصال کرنے والوں کے خلاف انقلابی قدم اٹھانا چاہیئے۔ مجھے امید ہے کہ ہندوستانی حکومت اور عوام جلد ہی ان بھیڑیوں کے، ان استحصال پسندوں کے دانت اپنے جسم سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کی حکومت اور عوام کے نام یہی میرا پیغام ہے۔

س :۔ میں اس بات سے بہت متاثر ہوا ہوں، یہ ایک انسانی نقطۂ نظر ہے۔

ج :۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ انسانی نہیں۔ میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ مجھے غریب عوام اور مزدوروں محنت کشوں سے محبت ہے۔ خواہ وہ کابل میں ہوں یا ہندوستان میں یا کہیں اور۔ انسانی نقطۂ نظر سے آخر آپ کی کیا مراد ہے ؟

س :۔ میرا مطلب ہے انسانوں سے آپ کی محبت۔

ج :۔ مگر انسانوں میں بھیڑیئے بھی تو موجود ہیں۔ وہ انسان نہیں وحشی ہیں جو انسانی خون پر پلتے ہیں۔ میں انہیں انسانیت سے خارج کرتا ہوں۔ مجھے ان سے نفرت ہے شدید نفرت۔ مجھے صرف غریب عوام اور مزدوروں اور محنت کشوں سے محبت ہے۔

س :۔ میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ عالمی مفکرین اور فلاسفروں میں کس نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا تھا ؟

ج :۔ مجھے ترقی پسند ادب نے متاثر کیا اور اسی نے روشنی بخشی۔

س :۔ کیا آپ نے ٹالسٹائی کو پڑھا ہے ؟

ج :۔ ہاں ٹالسٹائی ایک اچھا ناول نگار ہے۔

س :۔ اور گورکی ؟

ج :۔ گورکی نے عظیم انقلابی ادب تخلیق کیا ہے ٹالسٹائی کو میں نے زیادہ نہیں پڑھا۔ اس کی کتاب جنگ و امن بہت اچھی ہے۔ مگر گورکی کی تو بات ہی اور ہے

بشکریہ کرنٹ "بمبئی"

سرحد

سرحد میں سیاسی شکست و ریخت' ملازمین میں بے چینی' وکلاء کی حمایت

امان تاجک

حالات تیزی سے بدل رہے ہیں
نامزدگیاں کارگر ثابت نہ ہوں گی

یادش بخیر۔ ہمارے ایک صحافی دوست نے یہ واقعہ سنایا کہ پی آئی اے میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے ٹریڈ یونین ازم پر پابندی لگانے اور پھر ایک یونین کے تصور کے ساتھ نامزدگی کے ذریعے جب یونین سازی کی اجازت دی تھی تو جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم "پیاسی" سے لے کر جماعت کے اکابرین جن میں پروفیسر غفور سرفہرست تھے، تک نے اس یونین کو نامزد، داشتہ پاکٹ، بغل بچہ اور نہ جانے کن کن ناموں سے نوازا۔ اور جب گزشتہ روز جماعت اسلامی کے سکریٹری جنرل نائب صدر اور دوسرے کھڑپنچوں نے نامزدگی کے ذریعے وزارت کا بار گراں اٹھایا۔ تو نامزد یونین کے ایک لیڈر نے ہمیں ٹیلی فون کر کے پوچھا کہ ہم پروفیسر غفور سے یہ پوچھنے کی جسارت کریں کہ انہیں اب کس نام سے پکارا جائے۔ کیوں کہ ان کی نامزدگی بھی بالکل اسی طرح ہوتی ہے جس طرح پی آئی اے یونین کی ہوئی تھی۔ خیر یہ معاملہ تو یونین اور پروفیسر غفور کے مابین ہے لیکن اس نامزدگی نے سرحد کے سیاسی حالات پر بڑے گہرے منفی اثرات مرتب کئے ہیں اور بار بار کی پیش کشوں کے بعد بھی جب کوثر نیازی گروپ کے کسی شخص کو نہ صرف یہ کہ کابینہ میں شامل نہیں کیا گیا بلکہ نصراللہ خٹک کی نااہلی کے بعد جب سے اس صوبے کی چند دوسری شخصیتوں کے مقدمات نااہلی کے ٹریبونل میں پیش کئے جانے کی افواہیں گرم ہوئی ہیں۔ باقی ماندہ نیازیوں کی بھی سٹی گم ہو گئی ہے اور ان میں سے اکثر اپنے گھروں میں منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہیں اور جب کوئی دروازے پر دستک دیتا ہے تو گھر سے جواب ملتا ہے صاحب گھر پر نہیں ہیں۔

بیگم نسیم ولی خان کے بارے میں لندن سے اڑتی ہوئی خبر جب پاکستان کے اخبارات میں قصہ پارینہ ہوئی، تو تب اس کے شدید اثرات سرحد کے دیہاتوں پر مرتب ہوتے دکھائی دیتے لگے ہیں۔ اس ہیجان آمیز خبر سے سیاست کے وہ بڑے بڑے ستون لرز کر رہ گئے ہیں، جن پر برسہابرس سے باچہ خان خاندان کی سیاست کی عمارت کھڑی ہے اور اس سے (کہ یہ خبر کتنی ہی سچی یا جھوٹی ہے) نیپ کے پرانے کارکن بری طرح ندامت اور مایوسی کا شکار ہو کر اس خاندان سے لاتعلقی اختیار کرنے پر سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق اس سلسلہ میں علاقہ داؤدزئی کے کئی سرکردہ رہنما عنقریب متفقہ طور پر این ڈی پی سے علیحدگی کا اعلان کرنے والے ہیں دوسری طرف این ڈی پی کی صوبائی قیادت اس صورتحال سے شدید پریشان ہے۔ اور ایسے کسی بھی اقدام کی پیش بندی کو روکنے کے لئے وہ ہر قدم اٹھانے پر غور کر رہی ہے۔ جس سے شکست و ریخت کے عمل کو روکا جائے۔ ایک طرف مختلف رہنماؤں کو ناراض کارکنوں کے گھر جرگہ کی صورت میں بھیجا جا رہا ہے۔ تو دوسری طرف اپنے کھوئے ہوئے کردار کو واپس لانے کے لئے (کہ علیحدگی کو روکنے کا واحد حل یہی ہے) حکومت کے خلاف سخت روش اختیار کرنے کی حکمت عملی بنا رہی ہے جس میں سرحد کی سطح پر حکومت پر شدید تنقید اور دوسری جماعتوں کی موجودہ تحریک میں شامل ہو کر اپنی پرانی قوم پرستانہ حیثیت حاصل کرنے کا پروگرام سرفہرست ہے۔ کیا ولی خان اور این ڈی پی کے مرکزی لیڈر مارشل لار کی حکومت کی چھاؤں تلے اس مقصد کو حاصل کر لیں گے، اس کا جواب تو مستقبل دے گا لیکن سرحد کی روایت ہے، کہ جب کوئی نظروں سے اتر جائے، تو دوبارہ اسے دل و ذہن کے ایوان میں نہیں بٹھایا جا سکتا۔ دیکھئے۔

نواب احمد خان کے قتل کی اپیل اپنی سماعت کے آخری مرحلوں پر ہے۔ اس لئے اس کے کسی پہلو پر گفتگو کسی طور بھی مناسب نہیں۔ لیکن یہ سوال پشاور میں افواہوں کی صورت گشت کر رہا ہے کہ قتل کی سزا پانے والے اقبالی، پھر منحرف اور پھر انحراف کے منحرف مجرم میاں عباس کس سلسلہ میں اپنے آخری بیان سے ایک ہفتہ قبل پشاور میں اپنے بچوں سے ملوانے کے لئے لائے گئے اور یہ ملاقات سرکار کے ایک بہت بڑے وکیل کے گھر ہوئی۔ قتل کے مجرم کو جب ان وکیل صاحب کے پڑوسیوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ ابھی چند ہفتے قبل ہی انہیں ہائی کورٹ لاہور قتل کا مجرم قرار دے کر موت کی سزا سنا چکی تھی۔ فی الحال یہ افواہیں ہیں، اور ان سے لوگوں کے ذہنوں پر بڑے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ہم اس امر کی تردید یا تائید کی پوزیشن میں تو نہیں، لیکن اتنا کہنا اپنا حق سمجھتے ہیں کہ افواہیں کسی نہ کسی شکل میں حقیقت کے بدن سے ہی جنم لیتی ہیں۔ اور بھیڑوں کی طرح لوگوں کے ذہنوں میں ڈنک مارتی، غلط فہمیوں کے لامتناہی سلسلے قائم کرتی چلی جاتی رہیں۔ ایسی افواہوں کے بارے میں سرکاری حلقوں کی خاموشی سے صرف ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت اور زیادہ بے اعتبار ہوتی چلی جاتی ہے۔

گزشتہ دنوں سرحد کے چالیس وکلاء نے ایک بیان کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا کہ صحافیوں پر کیا جانے والا تشدد فوراً بند کیا جائے۔ صحافیوں کے حقیقی نمائندے منہاج

برنا اور ان کے ساتھیوں سے مذاکرات کر کے ان کے مسائل حل کرے ۔ وکلاء نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ کسی بھی معاشرہ میں صحافت کی آزادی ، قوم کی آزادی کے مترادف ہوتی ہے ۔ اسی لئے آزادیٔ صحافت کی اس جدوجہد میں ان پر بہیمانہ تشدد ، قوم پر تشدد تصور کیا جائے گا ۔ ہم وکلاء اس جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے تشدد کے ساتھ اس چار رکنی ٹولے کی بھی مذمت کرتے ہیں جس نے ٹوڈیوں اور بلیک میلروں کے ساتھ مل کر اس جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ۔ ہم صحافیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی تمام تر حمایت کا یقین دلاتے ہیں ۔ اس بیان پر سید قمر عباس ایڈووکیٹ ، جمیل ایڈووکیٹ ، سلمان سادل ایڈووکیٹ ، فقیر حسین ایڈووکیٹ ، اشفاق حسین ایڈووکیٹ ، جمال خٹک ایڈووکیٹ ، احمد بٹ ایڈووکیٹ ، سیف الرحمان ایڈووکیٹ ، سعادت حسین ایڈووکیٹ ، طاہر محمود ایڈووکیٹ ، اورنگزیب ایڈووکیٹ ، شاکر اللہ ایڈووکیٹ ، قاضی احسان اللہ ایڈووکیٹ ، نور احمد خان ایڈووکیٹ ، قاضی طاہر محی الدین ایڈووکیٹ ، یحییٰ خان ایڈووکیٹ ، آغا خان بابا خان ایڈووکیٹ ، ظفر قریشی ایڈووکیٹ ، خان بہادر ایڈووکیٹ ، بیرسٹر مسعود کوثر ، بیرسٹر عبدالستار خان ، عبدالوحید ایڈووکیٹ ، اقبال مہمند ایڈووکیٹ ، محمد ایاز آفریدی ایڈووکیٹ ، پیر اعماد الدین گیلانی ایڈووکیٹ ، سید ریاض علی ایڈووکیٹ ، عبداللطیف آفریدی ایڈووکیٹ ، عبدالنعیم ایڈووکیٹ ، مختار باچہ ایڈووکیٹ ، خضر حیات ایڈووکیٹ ، افتخار گیلانی ایڈووکیٹ ، نثار محمد خان ایڈووکیٹ ، محمد نثار ایڈووکیٹ ، انور حسین ایڈووکیٹ ، ولایت خان ایڈووکیٹ ، عنایت الٰہی ایڈووکیٹ ، حبیب اللہ خان ایڈووکیٹ ، انور خان ایڈووکیٹ ، شاکر لالہ ایڈووکیٹ اور سہیل خان ایڈووکیٹ نے دستخط کئے ۔

بنک ملازمین کی اپنے حقوق کے لئے جدوجہد نئی نہیں ۔ اور خصوصی طور پر سرحد میں بنک کے ملازمین نے اپنی یکجہتی اور جدوجہد کے ایسے ان مٹ نشان ثبت کئے ہیں ، جس کی مثال دوسرے صوبوں میں کم کم دکھائی دیتی ہے ۔ ان دنوں بھی بنک ملازمین اپنی تنظیم بنکنگ فیڈریشن اور اس کے صدر اورنگزیب ، سجاد لطیف سکریٹری جنرل کی قیادت میں ایک بار پھر میدان میں نکل آئے ہیں ۔ اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے اپنے حقوق کی جنگ میں مصروفِ عمل ہیں ۔ تمام بنکوں میں کالے بینر لگے ہوئے ہیں اور پروگرام کے مطابق ہر روز یہ احتجاجی مظاہرے جاری ہیں ۔ ۱۷ اگست کو اس سلسلہ میں سب سے بڑا اجتماع یو بی ایل میں ہوا ۔ جس میں زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا ۔ اورنگزیب خان اور سجاد لطیف نے مزدوروں سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جب تک مطالبات مان نہیں لئے جاتے جدوجہد جاری رہے گی ۔ ہال مصلحت یا جدوجہد کے نعرے کے جواب میں جدوجہد ، جدوجہد کی گونج سے لرزتا رہا ۔ ہر جد بھر کی مزدور تنظیموں نے بنکنگ مزدوروں کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے جس پر ان رہنماؤں نے شکریہ ادا کیا ۔

■

کشمیر

سید نذیر گیلانی

سول سیاست کی جگہ فوجی سیاست کا راج ہے

قارئین ! تاخیر سے حاضر ہوا ۔ دراصل سرکار نے دی ہوئی نوکری واپس لے لی ۔ الفتح کے گناہ گاروں کی آخری صف سے مجھے ڈھونڈ نکالا گیا اور ایک ایسے جرم میں دھر لیا گیا جو تاریخ اور مہذب اقوام کے حوالوں میں عبادت سے تعبیر ہوتا رہا ۔ میرا سب سے بڑا جرم کشمیری ہونا ہے بھارتی کشمیر میں رہوں تو پاکستان کا ایجنٹ اور اگر پاکستانی کشمیر میں رہوں تو بھارتی جاسوس اور اگر الگ رہنے کا سوچوں تو غدار ۔ اس کے پار میری سوچ نہیں جاتی کہ آخر کیا کروں ۔ تو فی الحال فیصلہ یہی ہوا کہ الفتح میں رہوں ۔ "میرا جرم الفتح والوں سے پوچھیں" ۔

آزاد کشمیر میں سول سیاست کی جگہ فوجی سیاست کا راج پاٹھ جاری ہے ۔ مقبوضہ کشمیر کے عوامی نمائندے شیخ عبداللہ کے مقابلے میں ہم نے ایک حاضر سروس بریگیڈیئر کی صلاحیتوں پر بیعت کر لی ہے ۔ اور اسی بارہ کی ہر شخص چوری چھپے ، اپنے ہی گریبان میں جھانک کر کھال اتارتا نظر آتا ہے ۔ عام قیاس یہی ہے کہ منتظمِ اعلیٰ کی حیثیت خود مختاری اور بااختیاری کی جگہ تابعداری اور اطاعت کے دائرے میں آتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ آزاد کشمیر کی عوامی حکومت سے خود بھٹو صاحب نالاں تھے اور اسے وہ برملا گندگی کا ایسا ڈھیر کہہ بیٹھے جسے نیلم کا پانی اور پاکستان کے دھوبی نہیں دھو سکتے تھے ۔ وزارت میں آتے ہی عوامی وزیروں کو رات دیر تک جاگنے اور صبح دیر تک سونے کا چسکا پڑا تھا ۔ پھر دیکھتے دیکھتے ان کی راتیں کافی مہنگی ہوتی گئیں ۔ یہاں تک کہ ایک وزیر باوظیفہ نے گھریلو اور خاندانی روایات سے ایک رات ایسی بغاوت کی کہ دن چڑھنے پر انٹرکان کا بل ۳۲ ہزار سے تجاوز کر چکا تھا ۔ بیگم صاحبہ پرواز کر چکی تھیں اور غریب عوام کے نام کے گھی کے ڈبے ،

باقی صفحہ ۵۰ پر

کشمیری بھارت میں ہوں تو پاکستانی ایجنٹ اور پاکستان میں ہوں تو ...

اندرونِ سندھ

احسان عظیم

نئی کابینہ کی تشکیل

بھٹو دشمنی اور فوج سے وفاداری کا مرکب ہے

میر علی احمد تالپور سے ڈبل کام لینے کا منصوبہ

لیجیئے! بعداز خرابیٔ بسیار فوجی کونسل کی کمان میں چوبیس وزیروں نے آخر کار وزارت کا حلف اٹھا لیا۔ بتایا گیا ہے کہ موجودہ کابینہ میں کوئی فوجی یا سول بیوروکریسی کا نمائندہ نہیں ہے۔ جہاں تک فوجی بیوروکریسی کا تعلق ہے واقعی کوئی جنرل وزیر مقرر نہیں ہوا ہے۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ اقتدار تو پھر بھی فوجی جنرلوں کی کونسل کے ہاتھ میں ہے۔ فوجی کونسل اور کابینہ کے درمیان پل کا کام چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق بدستور انجام دینگے جہاں تک سول بیوروکریسی کا تعلق ہے۔ سول بیوروکریسی نے اعلان کر کے اپنے کسی بھی فرد کو نمائندہ مقرر نہیں کیا ہے۔ رہا سابقہ سکریٹری جنرل انچیف جناب غلام اسحٰق خان کا جواب وزیر خزانہ ہیں تو چونکہ اب وہ سکریٹری جنرل انچیف نہیں رہے ہے۔ اس لئے انہیں بیوروکریسی کا نمائندہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ آپ چاہیں تو ٹکنوکریٹ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ تیس پینتیس سال تک سول انتظامیہ میں مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد وہ بیوروکریسی سے ترقی کر کے ٹکنوکریٹ ہو چکے ہیں۔ ان کی ترقی بھی ایسی ہی ترقی ہے جیسی اپنے پرانے فٹ کانسٹیبل اور حال کارخانہ دار چوہدری ظہور الٰہی کی ہے وہ بھی تو فٹ کانسٹبل سے ترقی کر کے کارخانہ دار، سرمایہ دار پھر سیاست دان اور اب وزیر بن چکے ہیں۔ اسی طرح اپنے فدا محمد صاحب بھی اب ٹکنوکریٹ ہی کہلائیں گے۔ کل اگر وہ سول انتظامیہ کا حصہ تھے تو کیا ہوا۔ اب تو نہیں ہیں۔ اس لئے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ کابینہ قطعی طور پر بیوروکریسی کی آلائش سے پاک کابینہ ہے۔

موجودہ کابینہ میں نمائندگی کا دوسرا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں کراچی کی نمائندگی سب سے زیادہ ہے۔ مثلاً وزیر قانون اے کے بروہی، وزیر جہاز رانی مصطفےٰ گوکل، وزیر داخلہ محمود ہارون اٹارنی جنرل شریف الدین پیرزادہ وزیر پیداوار پروفیسر غفور، وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی اور وزیر مملکت برائے فروغ برآمدات حبیب بنک والے حمید ڈی حبیب کا کراچی سے تعلق ہے۔ اس طرح چوبیس وزراء کی لاٹ میں سات صرف کراچی سے متعلق ہیں۔ اس بہانے کراچی کی ہر گلی کی نمائندگی ہو گئی۔

موجودہ کابینہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ بیشتر اہم وزارتیں غیر پارٹی ارکان کے حوالے کی گئیں ہیں مثلاً مالیات، قانون، ہاؤسنگ جہاز رانی داخلہ، مواصلات، دفاع اور خارجی معاملات سے کابینہ

> کراچی کی تقریباً
> ہر گلی کا سیٹھ یا اس کا ایجنٹ
> وزیر بن گیا

میں شامل سیاسی جماعتوں کو دور رکھا گیا ہے۔ دیگر جماعتوں کے مقابلے میں جماعت اسلامی کو نسبتاً زیادہ نمایاں وزارتیں دی گئی ہیں۔ جیسے پیداوار، پانی و بجلی اور اطلاعات و نشریات جب کہ مذہبی امور کی وزارت پی ڈی پی کے پاس ہے۔ چنانچہ موجودہ کابینہ کی اگر درجہ بندی کی جائے تو دس پہلے نمبر کی وزارتیں غیر پارٹی ارکان کے ہاتھوں میں ہیں۔ کابینہ میں وزارتوں کی اہمیت کے لحاظ سے جماعت اسلامی کو دوسری مسلم لیگ کو تیسری جمعیت العلمائے اسلام کو چوتھی اور پی ڈی پی کی حیثیت آخری کہی جا سکتی ہے۔

فوجی کونسل کے تحت نامزد موجودہ کابینہ میں شامل بیشتر وزراء کسی نہ کسی شکل میں متوقع تھے۔ لیکن اگر کوئی اچنبھا ہوا ہے تو وہ میر علی احمد تالپور کی شمولیت اور دفاع جیسی اہم وزارت پران کا فائز کیا جانا ہے۔ میر علی احمد تالپور کے وزیر بننے پر اگر کسی نے دھچکہ محسوس کیا ہے تو وہ اپنے مسلم لیگ والے پیر پگارا ہیں۔ پیر پگارا نے اکتوبر کے مجوزہ انتخابات کے موقع پر میر علی احمد تالپور کے بجائے محمد خان جونیجو کو ٹکٹ دے کر اپنے خیال میں انہیں سیاست سے ناک آؤٹ کر دیا تھا۔

میر علی احمد تالپور ۱۹۳۵ء سے کوچۂ سیاست میں مصروف سفر ہیں۔ سیاسی سفر کے لئے خاکسار تحریک کو حسب حال پایا۔ لیکن پارلیمانی سیاست میں ابتداء سے ہی جماعتی بندشں سے ہمیشہ آزاد رہے ہے۔ جماعتی بندشں سے آزادی کے نتیجہ میں سیاست میں پہل کاری ہمیشہ ہاتھ میں رہی ۱۹۵۳ء میں سندھ اسمبلی میں کامیاب ہوئے۔ ون یونٹ کی تشکیل کے بعد ڈاکٹر خان صاحب کی سربراہی میں بننے والی صوبائی کابینہ میں وزیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں بھٹو کی گرفتاری کے بعد تحریک کی کمان سنبھال کر بھرپور جدوجہد کی ہبیل گئے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن بنے۔ ابتداء میں ہی بھٹو سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ خود اختیاری جلاوطنی اختیار کی تھی۔ بھٹو حکومت سے اختلاف کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۳ء کے دستور پر دستخط نہیں کئے۔ مارچ انتخابات کے موقع پر پیپلز پارٹی کے امیدواروں کے مقابلے میں بیک وقت چار نشستوں پر قومی اسمبلی کے لئے بطور آزاد امیدوار کھڑے ہوئے۔

موجودہ کابینہ کی بنیادی خصوصیات میں دیگر باتوں کے علاوہ دو اہم خصوصیتیں نمایاں ہیں۔ پہلی بھٹو دشمنی اور دوسری فوج سے وفاداری۔ یہی وجہ ہے کہ مارچ کے انتخابی معرکے کے دوران انتخابات کی فوج کے ذریعہ نگرانی کی پہلی آواز میر علی احمد تالپور نے ہی اٹھائی۔

میر علی احمد تالپور کی وزارت کا معاملہ تو تقریباً جنرل ضیاء الحق سے ڈیڑھ گھنٹے والی پہلی ہی ملاقات میں تقریباً طے پا گیا تھا۔ گذشتہ کافی عرصے سے بلوچستان کا مسئلہ شہ رگ کی حیثیت اختیار رکھتے ہوتے ہیں۔ کم از

کم تین مرتبہ فوجی کارروائی کی جا چکی ہے۔ اب جب کہ فوجی کارروائی میں " پاز" کی کیفیت ہے۔ بلوچستان کا مطالبہ ہے کہ فوجیں ۱۹۷۲ء کی پوزیشن میں واپس جائیں جب کہ فوجوں نے بلوچ علاقوں میں اندر تک کم از کم اکیس چھاؤنیاں قائم کر رکھی ہیں۔ ایک دفعہ پھر سیاسی معاملہ کی ضرورت ہے۔ اور مارشل لاء کے گرد موجود سیاسی شخصیتوں میں صرف میر علی احمد تالپور رہی سے شاید یہ بھی کام لیا جائے کہ وہ بلوچوں کو ٹھنڈا کریں۔

ایک وقت تھا (اور وقت تو اب بھی رہی ہے) کہ جماعت اسلامی کے بارے میں شہرت تھی کہ وہ اندرونی طور پر صرف جاگیرداروں اور زمینداروں کی نمائندہ ہے نیز چھوٹے صوبوں کو قطعی نظر انداز کرتی ہے۔ پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آجانے کے بعد جماعت نے اپنے جماعتی ڈھانچے میں رسماً یہ تبدیلی کی کہ مولانا جان محمد عباسی کو سندھ کا امیدوار اور بعد میں مرکزی تنظیم میں دیگر نائبوں میں ایک نائب امیر مقرر کر دیا۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں اس کی مثال کچھ جماعت میں ہی ملتی ہے۔ مارچ انتخابات کے موقع پر یقینی کامیابی والی نشستوں پر نامزدگی تو حسب سابق برسوں پرانی والی رکھی گئی۔ یہاں تک کہ حیدرآباد کی نشست پر بھی کسی قدیمی سندھی یا اردو بولنے والے کو نامزد کرنے کے بجائے پنجاب والے میاں شوکت کو امیدوار بنایا۔ رسماً اور مصلحتاً جان محمد عباسی کو بھی امیدوار بنایا گیا۔ لیکن جناب ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے پر جہاں ضمانت ضبطی کا یقین تھا۔

حالیہ کابینہ میں جماعت اسلامی کو تین وزارتوں کا کوٹہ دیا گیا۔ جماعت نے وزارت کے لئے جان محمد عباسی کا بھی نام تو بھیجا لیکن سچ مچ تو وزیر بنوانا نہیں تھا چنانچہ تین میں سے دو وزیر صرف کراچی سے اٹھوائے گئے۔

جماعت کی بات چل رہی ہے تو یہ بھی سنتے چلیں کہ حکومت سے تعلق پیدا ہوتے ہی جماعتیے کل پرزے نکالنے لگے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک خبر گذشتہ ہفتہ نواب شاہ سے موصول ہوئی ہے۔ خبر کے مطابق جماعت اسلامی کے ڈاکٹر مجیب کے بیٹے اقبال مجیب نے جو ایک بنک کا کلرک ہے۔ اپنے بنک منیجر پر حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ معاملہ تھانے تک پہنچا۔ جماعت اسلامی نواب شاہ کے امیر مصاحب علی ملزم کے بچاؤ میں تھانے پہنچ گئے۔ یہ تو ایک واقعہ ہے سیاسی مخالفین کی فہرست تو پہلے ہی بن رہی ہے۔ اب ہر جماعتیے کو گویا غنڈہ گردی کا لائسنس بھی حاصل ہو گیا ہے۔ دیکھیں کس کس کی پگڑی اچھلتی ہے۔

جب سے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاالحق نے اپنی بیوروکریسی کی اعلیٰ کارکردگی کا سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔ وہ دو جوتے اور آگے بڑھ گئی۔ اب یہی دیکھیں بارشیں ہوئیں۔ اکثر مکانات گر گئے۔ کوٹری پولیس اسٹیشن کی عمارت بھی کریک ہو گئی۔ پولیس اسٹیشن کے سامنے اور برابر میں ڈسٹرکٹ کونسل اور لوکل بورڈ کے دو انسپکشن بنگلے موجود ہیں۔ ایک بنگلے پر مستقلاً ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کا کیمپ بنا ہوا ہے۔ جب کہ دوسرے بنگلے میں اسسٹنٹ کمشنر صاحب فروکش ہیں۔ پولیس اسٹیشن کو تبدیل کرنا تھا تو انسپکشن بنگلے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مین روڈ پر تھا کشادہ کمرے اور وسیع کمپاؤنڈ موجود تھا۔ لیکن پولیس نے گورنمنٹ وکیشنل اسکول برائے خواتین کی عمارت کا تالہ توڑ کر قبضہ کر لیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ اسکول کی معلمات کو پولیس کے عملے کے سامنے ایک کمرے میں ڈیوٹی پوری کرنے کے لئے بیٹھنا پڑتا ہے دستکاری کا کام سیکھنے کے لئے آنے والی نوجوان لڑکیاں اسکول کمپاؤنڈ میں قدم رکھتی ہیں۔ پولیس کے جوان مونچھوں کو بل دے کر گہری نگاہوں سے جسموں کا معائنہ کرتے ہیں۔ جیتے جی جنت ملے تو اسکول کیوں خالی کریں۔ لڑکیاں تو پولیس کی جسموں میں اترتی ہوئی نگاہوں سے

(باقی ص ۴۹ پر)

عوامی
قرطاس
ابیض

جنرل ضیا کے نام خط

تمہیں پتہ نہیں ہم کون ہیں حکومت کس کی ہے

" تم جنرل ضیا اور دوسرے افسروں کو درخواستیں اور تاریں دے رہے ہو۔ کان کھول کر سن لو، اس وقت سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ تمہارے لڑکوں سمیت تم کو دو، دو سال کی سزا کے ساتھ کوڑے بھی لگوا دیں گے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ملک کا سربراہ اور بادشاہ ارائیں ہے اور ہم بھی ارائیں ہیں۔ وہ بھی ضلع جالندھر کا ہے، اور ہم بھی ضلع جالندھر کے ہیں۔ شاید ہو سکتا ہے کہ ہم آپس میں رشتہ دار ہوں۔ اگر تم نے کہیں بھی درخواست دی تو اپنے حشر کے لئے تیار رہو"

یہ دھمکی المنصورہ کالونی سانگھڑ میں متعینہ، فوج کے میڈیکل افسر کیپٹن عبدالوہاب کے چچا سابق تحصیلدار نور محمد نے ایک مظلوم دکاندار ملک محمد حسین کو دی اور کیپٹن عبدالوہاب نے اس پر زبردست تشدد کر کے اس کا کوارٹر بمعہ سامان اپنے چچا کو دلوا دیا جس میں وہ ۶۵ء سے رہائش پذیر تھا اور اس کے سارے واجبات بھی ادا کر دیئے تھے۔ یہ دلخراش داستان المنصورہ کالونی میں حکومت کی طرف سے پی ایل ۴۸۰ کے تحت امریکی امداد سے تعمیر شدہ کوارٹروں سی ۱۱۹، اور سی ۱۲۰ کے الاٹیوں ملک محمد حسین اور شفقت علی نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل جناب ضیاالحق کے نام ایک کھلے خط میں لکھی ہے جو مختصراً درج ذیل ہے۔

۶۵ء میں گورنر سندھ کے حکم پر ڈپٹی کمشنر سانگھڑ نے درخواست کنندگان کو ان زیر تعمیر کوارٹروں کا قبضہ دلایا تھا جہاں نہ پانی تھا نہ بجلی۔ چار سال تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد یہ دونوں چیزیں وہاں آئیں جن کے کنکشن کے سارے واجبات ادا کر دیئے۔ دریں اثنا نور محمد اور دوسرے لوگوں نے کوارٹر کے الاٹیوں کو بیدخل کرانے کی کوشش کی لیکن اس وقت کے ڈپٹی کمشنر ڈاکٹر امتیاز احمد نے یہ کہہ کر کہ یہ کوارٹر بے گھر افراد کے لئے بنوائے گئے ہیں اور دوسروں کا ان پر کوئی حق نہیں، ان کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

۵ جولائی ۷۷ء کے مارشل لاء کے بعد سانگھڑ میں نور محمد کا بھتیجہ کیپٹن عبدالوہاب بطور میڈیکل افسر تعینات ہوا۔ جس کے ساتھ ہی نور محمد حرکت میں آ گیا۔ کیپٹن بشیر نے ملک محمد حسین کو بلوا بھیجا جہاں کیپٹن عبدالوہاب اور نور محمد

صحافت کی آزادی کی سب سے زیادہ ضرورت ہاریوں کو ہے!

ہاریوں کی بیدخلیوں کا نیا ریکارڈ

جدوجہد کا مثالی مظاہرہ

احسان عظیم کا فاضل راہو سے انٹرویو

تھانے میں برہنہ کرکے ہاریوں پر تشدد کیا گیا، گھروں کو آگ لگا دی گئی

"صحافت کی آزادی کا مسئلہ صرف صحافیوں کا مسئلہ نہیں ہے" ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ صحافت کی آزادی کے لئے آواز اٹھائے"۔ یہ الفاظ سندھی عوامی تحریک کے سینئر نائب صدر محمد فاضل راہو نے حال ہی میں ایک ملاقات کے دوران کہے۔ محمد فاضل راہو اسی ماہ کی ۱۸ تاریخ کو سنٹرل جیل حیدرآباد سے رہا ہو کر آئے ہیں۔ فاضل راہو کو ضلع بدین میں ہاریوں کی بے دخلی کے خلاف احتجاج کرنے کے نتیجہ میں ۲؍مارچ ۱۹۷۸ء کو مارشل لاء کے ضابطے نمبر ۱۳ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ مارشل لاء کی عدالت سے ایک سال قید اور پندرہ کوڑے اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ جیل میں ۲؍اپریل ۱۹۷۸ء سے سزا شروع ہو گئی لیکن نامعلوم وجوہات کی بناء پر انہیں سزا کی مدت پوری کئے بغیر رہا کر دیا گیا۔

محمد فاضل راہو گرفتاری سے رہائی تک متعدد تجربات سے دوچار ہوئے۔ حقائق کو جس انداز میں دیکھے ہیں انہی سے سنیئے۔

ہاریوں کی بے دخلی کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے سندھ میں موجود فرسودہ جاگیرداری نظام میں ہاریوں کی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ اسی لئے ہر دور میں ہاریوں نے اپنی تنظیمی صلاحیتوں کے مطابق جدوجہد کی ہے۔ حالیہ مارشل لاء کے دور میں ہاریوں کی بے دخلیاں پہلے سے بھی شدید ہو چکی ہیں۔ اسی لئے سندھ میں ہاریوں کی جدوجہد بھی شدید ہوتی جا رہی ہے۔

پہلے سے موجود تھے۔ ملک محمد حسین نے اپنے کاغذات دکھانے کی کوشش کی لیکن کیپٹن بشیر نے مغلظات کے ساتھ اس کی ڈنڈے سے پٹائی شروع کر دی اور کیپٹن عبدالوہاب نے اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی جس سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ شام کے ۴ بجے کیپٹن عبدالوہاب نے اسے حکم دیا کہ کوارٹر میرے چاچا جی کے حوالے کر دو اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

اگلے روز صبح تحصیلدار سانگھڑ نے کوارٹر نمبر سی ۱۲۰ میں ملک محمد حسین اور شفقت علی کا سامان دکھوا کر کوارٹر سی۔۱۱۹ میں ٹیلی فون آپریٹر محمد رفیق کو بٹھا دیا۔ ملک محمد حسین نے اس سلسلے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور مارشل لاء کے دیگر حکام کے نام درخواستیں دیں اور تار ارسال کئے جس کے نتیجے میں ڈپٹی کمشنر سانگھڑ نے اسے کوارٹر واپس دلانے کا وعدہ کیا۔ ایک روز تحصیلدار اس کے ڈپو پر گیا اور اس سے تیس سیر چاول مفت لے لئے پھر اسے اپنے بنگلے پر بلا کر چار ہزار روپے کا انتظام کرنے کو کہا لیکن مختارکار کی مداخلت پر دو ہزار روپے میں معاملہ طے ہوا۔ تحصیلدار نے ملک محمد حسین سے یہ بھی کہا کہ کیپٹن عبدالوہاب اس پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ اگر فیصلہ میرے حسب منشا نہ ہوا تو تمہاری خیر نہیں۔ وہ چھ روز بعد پیسوں کا انتظام کر سکا۔ کیونکہ اس کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ قومی اتحاد کی تحریک کے دوران اس کی دکان تین بار لوٹی اور جلائی گئی تھی اور ۳۶½ ہزار روپے کے نوٹ جل کر راکھ بن گئے تھے۔

جس روز تحصیلدار نے ملک محمد حسین سے رقم لے کر اسے دو نوں کوارٹر واپس دلوانے کا وعدہ کیا اس سے اگلے روز نور محمد سوزی ٹرک بھر کر بندوقوں اور کلہاڑیوں سے مسلح آدمی لے آیا اور کوارٹر سی۔۱۲۰ پر لگی ہوئی سیل توڑ کر اس پر سامان سمیت قبضہ کر لیا۔ تحصیلدار کا تبادلہ خیرپور ہو گیا اور وہ دو ہزار روپے اور تیس سیر چاول لے کر چلا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی نور محمد سے ملی بھگت تھی۔

ملک محمد حسین نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب ضیاالحق کے نام جو خط لکھا ہے، اس میں بتایا ہے کہ ان کوارٹروں کو قابل رہائش بنانے کے لئے تقریباً بیس ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں۔ بجلی اور پانی کے کنکشن بھی درخواست دہندگان کے نام ہیں۔ کوارٹروں میں تقریباً چھ ہزار روپے کی مالیت کا سامان بھی تھا جو کوارٹروں سمیت چلا گیا۔

بدین ضلع کے دیہہ بارودری تپہ گولارچی کے ہاری گذشتہ کئی سال اپنے حق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں مسئلہ کچھ اس طرح ہے کہ بیراج اسکیم کے تحت تقریباً ڈھائی سو ایکڑ زمین ایک سٹلر کو دی گئی۔ سٹلر نے زمین کی قیمت کی ادائیگی نہیں کی۔ دوسری طرف زمین ایک شخص ملک حیات کو ۴ ۔ ۳ ۔ ۱۹۷ء میں فروخت کر دی مارشل لاء ضابطہ نمبر ۱۱۴ کے مطابق زمیندار پر لازم ہے کہ زمین کی فروخت کرنے کی صورت میں اولیت ہاری کو دے لیکن زمیندار نے قانون کی پابندی نہیں کی۔ نوموڑتی اور قدیم ہاریوں نے مختار کار کے پاس اعتراض پیش کیا اعتراض قانونی تھا۔ مختار کار نے اعتراض تسلیم کرتے ہوئے زمین کی فروخت رد کر دی۔ زمیندار نے اسسٹنٹ کمشنر کے پاس اپیل کی اور ساتھ ہی رسائی بھی۔ اسسٹنٹ کمشنر غلام حیدر چنڑ نے زمیندار کی "رسائی" پر مختار کار کا فیصلہ تبدیل کر دیا۔ چنانچہ ہاریوں نے ڈپٹی کمشنر کے پاس اپیل کی اور ایک دفعہ پھر فیصلہ ان کے حق میں صادر ہو گیا۔

زمیندار نے کمشنر کے پاس اپیل کی۔ کمشنر نے کیس کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا۔ اور زمین کی گرانٹ رد کرتے ہوئے زمین کو نئے سرے سے قانون کے مطابق "کال ڈسپوز" کرنے کی ہدایت کی۔

زمیندار نے کمشنر کے خلاف اپیل بورڈ آف ریونیو میں کی جو تاحال زیر سماعت ہے۔ اس دوران زمین کی پیداوار کا زمینداری حصہ فیصلہ ہونے تک مختار کار کے پاس جمع ہو رہا ہے۔ اس دوران ملک میں مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ زمیندار ملک حیات فوجی حکام میں اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ موقع غنیمت دیکھتے ہوئے اٹھارہ ہاریوں کے خلاف زمین پر ناجائز قبضے کے الزام میں مقدمہ درج کرایا۔ ہاریوں نے بدین میں مارشل لاء کے میجر سکندر کی عدالت میں واضح کہا کہ زمین پر قبضہ عدالت کے فیصلے کے مطابق ہے۔ زمیندار کی گرانٹ کا مسئلہ بورڈ آف ریونیو میں زیر سماعت ہے۔ لیکن میجر صاحب نے زمین کی پیداوار سے چھتیس ہزار روپے زمیندار کو ادا کرنے کا حکم دے دیا اور پولیس کے جبر کے ذریعے ۹ ہزار روپے وصول بھی کر لئے گئے۔

اسی دوران بریگیڈیئر صاحب بدین کے دورے پر آئے۔ شہریوں کی میٹنگ ہوئی۔ ہم نے ہاریوں کے ساتھ زیادتی کی شکایت پیش کی۔ بریگیڈیئر صاحب نے تحقیقات کرانے کا وعدہ کیا۔ میجر صاحب کی برہمی سمجھی جا سکتی ہے۔ بدین ضلع میں ریٹائر فوجیوں کی ایک خاصی بڑی تعداد کو زمینیں دی گئیں ہیں۔ ہاریوں کی جدوجہد ان کے لئے ناک کا مسئلہ بن گئی۔ سٹلر سابقہ فوجیوں کی میٹنگ ہوئی تیس ہزار روپے چندہ جمع کیا گیا۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل عبداللہ سعید کو دعوت دی گئی۔ میجر جنرل صاحب بھی بدین ضلع میں زمین کے مالک ہیں۔ دعوت میں ہاریوں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔ ۱۲ مارچ ۱۹۷۸ء کو گیارہ ہاریوں کو گرفتار کیا گیا۔ تھانے میں ننگا کر کے تشدد کیا گیا۔ گھروں کو آگ لگا کر ٹریکٹر کے ذریعہ گاؤں کو میدان کر دیا گیا۔ اسی دن مجھے بھی گرفتار کیا گیا۔ ایک ماہ بعد مقدمہ چلا کر سزا سنائی اور سنٹرل جیل حیدرآباد میں سزا شروع ہوئی۔ سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں رٹ داخل ہوئی۔ کوڑوں کے خلاف حکم امتناعی ملا۔ مسئلہ ابھی ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ اس دوران اچانک جیل سے باہر کھڑا کر دیا گیا۔

دوران مقدمہ ایک رات بدین سب جیل میں بھی رکھا گیا۔ بدین سب جیل چار چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے۔ اس دوران ہر کوٹھڑی میں پینتیس چالیس قیدی اس طرح بند رکھے گئے تھے کہ سونا تو بڑی بات سب ایک وقت میں بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ کوٹھڑی میں ایسے بھی متعدد قیدی تھے۔ جو چار چار سال سے فیصلہ کے انتظار میں ان کوٹھڑیوں میں بند تھے۔ یہ جیل تو سب جیل ہے۔ سنٹرل جیل حیدرآباد کے حالات بھی انتہائی تکلیف دہ ہیں۔ سیاسی قیدیوں سے مشقت لی جاتی ہے۔ میڈیکل کے طلبہ سے جیل کی صفائی جیسا بدترین کام لیا جاتا ہے۔

سنٹرل جیل حیدرآباد خاصی آباد تھی۔ پیپلز پارٹی کے متعدد کارکن، نظربند اور سزا کاٹ رہے ہیں۔ سندھی ہاری کمیٹی کے سربراہ شیر خان لنڈ کو بھی وہیں نظربند رکھا گیا تھا۔ سابق ایم این اے عثمان کنیدسی بھی وہیں نظربند "سر کٹنے" کے خوف سے رات دن نماز پڑھتے اور چلہ کشی کرتے ہیں۔ اسی دوران مجاہد صحافت منہاج برنا اور ان کے نو دیگر ساتھی لائے گئے۔ ان میں رحیم بخش جتوئی، قیصر بٹ، اچی میمن، زاہد سموں، امیر محمد خان وغیرہ شامل تھے۔ اچھا وقت گذرا۔ صحافیوں کی موجودہ جدوجہد، صحافت کا مستقبل، جمہوریت کی بحالی جیسے موضوعات پر بحث مباحثہ رہتا۔ ان ساتھیوں کے غیر متزلزل یقین اور جذبے سے میں بیحد متاثر ہوا۔

صحافت کی آزادی کے بارے میں ذہن پہلے بھی صاف تھا۔ مجاہدینِ صحافت سے ملاقات نے صحافیوں کی موجودہ تحریک کو اور زیادہ واضح کر دیا جہاں تک ہاریوں کا تعلق ہے صحافت کی آزادی کی سب سے زیادہ ضرورت ہاریوں کو ہے کیوں کہ سماج میں وہ سب سے زیادہ استحصال کا شکار ہیں۔ اسی لئے صحافت کی آزادی کی موجودہ جدوجہد کو ہاری اپنی جدوجہد اور اس میں عملی حصہ لینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ صحافت کی آزادی کے لئے اگر ضرورت پیش آئی تو ہاری سندھ کے کونے کونے میں تحریک شروع کرینگے

موجودہ حکومت نے ہاریوں کو صحافیوں کی جدوجہد سے علیحدہ رکھنے کی کوشش میں شیر خان لنڈ اور اسمعیل سوہو سے بات کی۔ ان رہنماؤں کو پیش کش کی گئی کہ ہاریوں کے مسائل حل کر دیئے جائیں گے۔ ہاری صحافیوں کی جدوجہد سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ لیکن انہیں مایوسی ہوئی۔

ملک آج انتہائی شدید مسائل سے دوچار ہے۔ ملک کی بقا، ترقی اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ سیاسی سرگرمیوں سے ہر قسم کی پابندی ختم کی جائے۔ ملک کے بنیادی مسائل میں قومیتوں کا مسئلہ سرِ فہرست ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عوام کی معاشی آزادی کا مسئلہ ہے۔ ان مسائل کو حل کئے بغیر ملک اور اس کی سیاست کو استحکام نہیں مل سکتا۔ اسی لئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ :-

۱ - انتخابات فوراً کرائے جائیں۔
۲ - جداگانہ انتخابات کی کوشش ترک کی جائے۔
۳ - پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈی ننس منسوخ کیا جائے اور صحافت کی آزادی بحال کی جائے۔ صحافیوں کے خلاف کارروائی بند کی جائے۔ گرفتار شدہ صحافیوں کو رہا کیا جائے۔ برطرف صحافیوں کی ملازمت بحال کی جائے اور ان کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔
۴ - تمام سیاسی طلبہ، مزدوروں اور کسان قیدیوں کو رہا کیا جائے۔
۵ - ہاریوں کی بے دخلیوں اور مزدوروں کی چھانٹیوں پر پابندی لگائی جائے۔
۶ - سندھی رسالوں، کتابوں اور اخبارات پر عائد پابندیاں اٹھائی جائیں۔

غیفوں
کی
ڈائری

غلام مصطفیٰ جتوئی کی پریس کانفرنس
علی احمد تالپور کی کابینہ میں شمولیت

بالآخر تالپور صاحب نے بھی سیاسی کیریر داؤ پر لگا دیا

سابق وزیر اعلیٰ سندھ اور سندھ پیپلز پارٹی کے صدر جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کو اس بات کا احساس ہے کہ گذشتہ ایک برس میں فوجی حکومت نے مسائل حل کرنے کے بجائے، مزید نئے مسائل پیدا کر لئے ہیں، اور اب وہ مسائل کی اس دلدل میں کمر کمر تک دھنس چکی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ موجودہ حکومت کی جگہ اگر کوئی بھی منتخب حکومت ہوتی تو وہ زیادہ موثر انداز میں مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتی۔ اپنی حالیہ پریس کانفرنس میں جناب جتوئی نے پہلی مرتبہ بعض مسائل پر کھل کر گفتگو کی اور بعض مسائل پر تبصرہ کرتے اور کسی موقف کا اظہار کرنے کی بجائے یہ کہہ کر کنی کترا گئے کہ میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ ان سے سوال کیا گیا تھا کہ اگر آپ کی جماعت یہ سمجھتی ہے کہ عوام کے مسائل بڑھ گئے ہیں اور موجودہ نظام کے تحت انہیں حل نہیں کیا جا سکتا تو اس سلسلے میں آپ کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتے۔ جناب جتوئی فوری طور پر انتخابات کے انعقاد کی ضرورت پر زور تو دے رہے تھے لیکن ساتھ ہی اس بات کے بھی شاکی تھے کہ ایک منتخب حکومت کے اقدامات کو بدعنوانیوں کا نام دے کر بدنام کیا جا رہا ہے جو نہایت خطرناک عمل ہے اور جس کے نتیجے میں آئندہ آنے والی ہر منتخب حکومت کے فیصلے کرنے کی صلاحیت کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ایک سیاسی اور جمہوری حکومت جب منتخب ہو کر آتی ہے تو اس کی حیثیت مطلق العنان حکومت سے مختلف ہوتی ہے۔ مطلق العنان حکومت کسی کو جوابدہ نہیں ہوتی اس لئے جو جی میں آتا ہے کرتی ہے جب کہ سیاسی اور جمہوری حکومت کا ہر قدم سیاسی ہوتا ہے کیونکہ وہ عوام کو جوابدہ ہوتی ہے۔ اور چونکہ وہ عوام کو جوابدہ ہوتی ہے اس لئے سیاسی اختلافات سے قطع نظر اسے ایسے اقدامات بھی کرنے پڑتے ہیں، جنہیں سمجھوتہ کہا جاتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کی زندگی اور نشوونما میں یہ سمجھوتے نہایت کارآمد ہوتے ہیں اور عوام کے سیاسی شعور کو جلا دیتے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی کو جس دور میں حکومت ملی تھی، وہ نہایت نازک تھا، ملک ٹوٹ چکا تھا، معیشت بکھر گئی تھی۔ اس صورت حال میں اس نے ایک موثر سیاسی قوت کی حیثیت سے جو کچھ کیا اس پر بدعنوانیوں کی چھاپ لگا کر مسترد کر دینا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ تاہم ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا کہ اگر جنرل ضیاء الحق اس مرتبہ بھی اکتوبر ۱۹۷۹ء میں انتخابات کرانے کا وعدہ ٹال دیں تو ان کی پارٹی کیا کرے گی۔ اپنی پریس کانفرنس میں انہوں نے ایک کام کی بات یہ بھی کہی کہ جمہوریت کی بحالی کے لئے ہم خیال جماعتوں کے درمیان از سر نو گروپنگ ہوگی اور اس "گروپنگ" میں اگر این ڈی پی سے بھی تعاون مل سکتا ہے تو ہم یہ تعاون حاصل کریں گے۔ کیونکہ بقول ان کے "فوجی حکومت کے سربراہ بھی کہہ چکے ہیں، کہ سیاست میں کوئی بات حتمی نہیں ہوتی!"

دوسری طرف این ڈی پی کے بائیں بازو کے عناصر موجودہ عبوری انتظام میں میر علی احمد تالپور کی شمولیت کو معنی خیز قرار دے رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر جنرل ضیاء الحق سندھ کی نمائندگی ہی چاہتے تو مولا بخش سومرو یا ان کے کسی بھائی بھتیجے کی خدمات مستعار لی جاتیں لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ این ڈی پی کے ذریعوں کا کہنا ہے کہ میر علی احمد تالپور کی مارشل لاء حکومت میں شمولیت اور جنرل ضیاء الحق کا اپنی پریس کانفرنس میں ان کی تعریف سے گریز دراصل اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ بادلِ نخواستہ انہیں کابینہ میں شامل کرنے پر رضامند ہوئے ہیں۔ ان ذریعوں نے یہ بھی بتایا کہ میر علی احمد تالپور بھی اپنے تئیں کبھی مارشل لاء حکومتوں کے اتنے بڑے حامی نہیں رہے کہ انہیں مضبوط کرنے کے لئے اپنے خاندان کی ساکھ کو داؤ پر لگا دیں۔ ان ذریعوں کا کہنا ہے کہ میر صاحب کی کابینہ میں شمولیت کو اگر ہم بین الاقوامی سیاسی صورتحال کا ایک چھوٹا سا اثر قرار دیں تو غلط نہیں ہوگا۔ یعنی بس یوں سمجھ لیں کہ امریکہ اور چین ایک میز پر بیٹھ گئے ہیں

این ڈی پی کے سیاسی کارکن اس صورت حال سے یقیناً خوش نہیں ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ نیا انتظام بھی کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ اس کی بھی جڑیں عوام میں نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جڑیں بنانے کے لئے ہر حال میں انتخابات کرانے ہوں گے اور انتخابات کے نتیجے میں جو حکومت آئے گی، اس کو اقتدار کی منتقلی میں پس و پیش ایک نئے بحران کو جنم دے گا۔ اور پس و پیش اگر نہ کیا جائے تو آنے والی نو منتخب حکومت اتنی طاقتور ضرور ہوگی کہ وہ آئین کو نقصان پہنچانے والوں سے جواب طلبی کر سکے گی اور اگر نو منتخب حکومت اتنی مستحکم نہیں ہوتی تو ایسی حکومت کو ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہے گا، کہ ہر پانچ چھ برس بعد اقتدار میں آنے کا موقع بھی فراہم ہوگا۔

اب آیئے مارشل لاء حکومت کی تازہ ترین کابینہ کی طرف، جمعیت علمائے پاکستان کے ایک ماڈرن رہنما کے مطابق اس کابینہ میں مجموعی طور پر چار گروہوں کی نمائندگی ہے ایک نیم فعال سیاسی جماعت، تین نیم سیاسی نیم مذہبی جماعتیں۔ وردی والے اور بغیر وردی کے بیوروکریٹس، بے وردی کے بیوروکریٹوں کی نمائندگی غلام اسحٰق خان اور وردی والوں کی جنرل ضیاء الحق کر رہے ہیں جب کہ نیم سیاسی اور نیم مذہبی جماعتوں کی نمائندگی جمعیت علمائے اسلام، پی ڈی پی اور جماعت اسلامی کے نامزد وزرا کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ کی نمائندگی کے لئے اس کے اپنے وزرا ہیں اور اس عجیب و غریب کینبے میں میر علی احمد تالپور کو فٹ کیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ آیا وہ موثر بھی ثابت ہوتے ہیں یا ویسے ہی گھر رخصت کر دیئے جائیں گے۔

عبدالفتاح میمن، لاڑکانہ لیبر فیڈریشن

۷۸-۸-۱۲ کو میں لاڑکانہ لیبر فیڈریشن کی طرف سے پریس کلب میں آیا جہاں میں اپنے ساتھیوں سے ملا۔

۷۸-۸-۱۴ کو ہم ۴ اور ساتھیوں کے ساتھ اپنے حقوق کے حصول کے بارے میں بینر اٹھا کر قائداعظم کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لئے گئے تو عوام نے دیکھ کر زبردست نعروں کے ذریعے صحافیوں کے مطالبات کی حمایت کی۔ پولیس نے ہمیں قائداعظم کے مزار پر جاکر فاتحہ پڑھنے اور ان سے فریاد کرنے کی اجازت نہیں دی اور ہم پانچوں ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا گرفتار کر کے ہمیں بریگیڈ پولیس اسٹیشن لایا گیا۔ ساری رات ہم ساتھی اکٹھے تھے۔ دوسرے دن ۱۲ بجے پولیس میرے چار ساتھیوں کو لے گئی۔ انچارج نے کہا کہ عبدالفتاح (یعنی میں) یہاں رہے گا۔ کوئی ۳ بجے ایک گاڑی آئی۔ ۴ آدمی، جن میں ایک صاحب خاکی ڈریس میں تھا مجھے اپنی تحویل میں لیا۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھی گئی اور مجھے ایک گاڑی میں سلایا گیا۔ گاڑی کوئی آدھ گھنٹے تک خراب راستے پر چلتی رہی جس کی وجہ سے مجھے شدید دھچکے لگ رہے تھے۔ آخر کار ایک جگہ گاڑی رکی جو شاید کوئی کیمپ تھی۔ مجھے کمرے میں لایا گیا۔ میری آنکھوں پر بدستور پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے مجھے کافی تکلیف ہو رہی تھی میں نے گذارش کی کہ میری آنکھوں سے پٹیاں اتاری جائیں، جس پر مجھے کہا گیا کہ اب اس کمرے میں عزرائیل آنے والا ہے۔ اتنے میں کوئی صاحب آئے اور مجھ پر لاتوں اور مکوں کی بارش کر دی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ "کہاں سے آئے ہو؟" میں نے جواب دیا کہ "میں لاڑکانہ لیبر فیڈریشن کی طرف سے آیا ہوں۔" جس پر مکوں اور لاتوں کی مزید حملے شروع کر دیئے گئے۔ تشدد کرنے والے نے مجھ سے پوچھا کہ "کیا تم پارٹی کے ہو؟ تمہارا کس پارٹی سے تعلق ہے؟" میں نے کہا کہ میرا مزدوروں سے تعلق ہے، میرا اور کسی پارٹی سے تعلق نہیں ہے۔" اس نے کہا "تم مجھ سے رعب سے بات کرتے ہو، میں آفیسر ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے مجھ پر تشدد شروع کر دیا۔ سارا وقت میری آنکھوں پر پٹیاں بندھی رہیں۔ پیشاب کرتے گیا۔ سیڑھی چڑھتے وقت، سیڑھی اترتے وقت، مطلب کہ ہر وقت آنکھوں پر پٹیاں بندھی رہیں۔ رات سو رہا تھا تو کوئی ایک بجے پھر تشدد شروع ہو گیا تشدد کرنے والے نے حکم دیا کہ "سچ بتاؤ ورنہ تمہیں گولی مار کر ختم کر دیا جائے گا۔ اور اخبار میں یہ بیان دیا جائے گا کہ بھاگ کر جا رہا تھا تو گولی مار دی گئی۔ اس نے مجھے کہا کہ "تمہیں پیسے ملے ہیں۔" میں نے جواب دیا کہ میں اپنی فیڈریشن کی طرف سے آیا ہوں۔" مگر پھر تشدد شروع کیا گیا۔ یہ تشدد کرنے والا کوئی ۲ بجے رات کو چلا گیا اور دوسرے دن صبح کو آٹھ بجے پھر آیا اور پوچھا کہ تمہاری فیڈریشن کا جنرل سکریٹری کون ہے؟ میں نے بتایا کہ ہماری فیڈریشن کا جنرل سکریٹری عبدالعزیز عباسی ہے، مگر ہماری فیڈریشن کے ۲۰ ہزار ممبر ہیں، جو سب کے سب عبدالعزیز عباسی ہیں۔ اس کے بعد وہ صاحب چلے گئے۔ اس کے ۴ گھنٹے بعد مجھے واپس بریگیڈ تھانے لایا گیا۔ ایسے ہی دوسرے دن مجھے فوجی عدالت لے جایا گیا، جہاں جب میں نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو دیکھا تو میری جان میں جان آئی۔

عبدالفتاح

لاڑکانہ مزدور فیڈریشن

بقیہ: حسین نقی

تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔" اور خبروں میں علی الاعلان لگی لپٹی بات کہی جاتی اور بچائی رے پہلو بچایا جائے۔ کہ اللہ کو بھی اس کی خبر ہوتی ہے اور بندوں کو بھی افسوس اس بات کا ہے کہ بھٹو کی غلطیاں کو طشت از بام کرنے والے خود اس سے بھی بدتر حرکتیں کر رہے ہیں اور اپنے انجام کو نہیں پہچانتے۔

میرے دوست عبدالحمید چھاپرا نے جب وہ لاہور میں اپینک - پی ایف یو جے کی تحریک کے سلسلے میں بھوک ہڑتال کرنے آئے اور گرفتار ہوتے کراچی سے چلتے ہوئے یہ کہا تھا کہ جنرل ضیاء صاحب کی حکومت اخبارات پر پابندی عائد کرنے کے تمام پچھلے ریکارڈ سب حکومتوں سے کم عرصہ میں توڑ رہی ہے اور اپنا نیا ریکارڈ قائم کر رہی ہے۔

"سویلین حکومت کے قیام کے تیسرے چوتھے روز ہی پہلا ہفت روزہ بند ہوا، یہ بات قومی اتحاد کے، اسلامی نظام اور نظام مصطفےٰ پر عملدرآمد کے، جمہوریت کو دوبارہ قائم کرنے کے کس قدر حق میں جاتی ہے؟ یا ہمارے ملک میں یہ طے ہو گیا ہے کہ "جمہوری حقوق" صرف اپنے اور زیادہ سے زیادہ اپنے دھڑے کے لئے ہوں گے اور سب کے لئے جنگل کا قانون نافذ رکھا جائیگا۔

وہ صورتِ حال تو پتہ نہیں کن نتائج کی حامل ہوگی جس کا خدشہ جناب اصغر خان نے کیا ہے کہ موجودہ حکومت انتخابات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور حکومت غیر معینہ مدت تک برسرِ اقتدار رہنا چاہتی ہے لیکن حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ الیکشن ہو۔ اور جلد از جلد ہو اور واقعی ڈیڑھ ماہ کا عرصہ اس کے لئے کافی ہے لیکن اگر ایک سال یا چودہ مہینہ کے بعد بھی الیکشن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مفتی محمود صاحب اور پروفیسر غفور صاحب کہہ رہے ہیں، تو کیا پریس کے سلسلے میں قومی اتحاد اور بالخصوص جماعت اسلامی اس ریکارڈ کے ساتھ الیکشن لڑے گی کہ وزارتِ اطلاعات کا قلمدان اس کے پاس آنے کے تیسرے روز مخالف نظریے کے حامل ایک ہفت روزہ کو بند کر دیا گیا۔ بہرحال ہم جماعت کے مشیر کے فرائض کو انجام نہیں دے سکتے۔ لیکن تمام حکمرانوں کو ان کی طاقت کے عین عالم شباب میں متنبہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اب تک تجربہ یہ رہا ہے کہ وہ ان کی راہ پر نہیں لوٹتے اور طاقت کو ابدی خیال کرتے ہیں بلکہ جیسے جیسے ان کی گرفت بظاہر مضبوط ہوتی ہے وہ اپنی کرسی اور حکمرانی کو مستحکم خیال کرتے ہوئے اپنے مخالفین پر یلغار شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

میں یہ کالم یہیں ختم کر دیتا لیکن ملکی سیاست میں ملٹری کونسل کی نگرانی اور جنرل ضیاء الحق کی سربراہی میں قومی اتحاد کی اکثریتی کابینہ کے حلف اٹھانے کے بعد صورتِ حال میں تبدیلی ہوئی ہے۔ ابھی سیاسی قوتوں کی نئی گروہ بندی تو عمل میں نہیں آئی اور نہ ہی یہ بہت جلد یا جلد بازی میں ممکن ہے لیکن اس بات کی نشانیاں ملتی ہیں کہ کچھ صورتِ حال یوں بنے گی کہ جلد الیکشن کرانے کا مطالبہ این ڈی پی، تحریک استقلال، اور جمعیت علمائے پاکستان کی جانب سے زور پکڑے گا اور چونکہ پیپلز پارٹی اور بائیں بازو کے گروہ یہ مطالبہ پہلے ہی سے کر رہے ہیں لہٰذا "جلد الیکشن کراؤ مہم" اگلے دو ماہ میں کافی زور پکڑ سکتی

ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا کہ ولی خان اور اصغر خان "بھٹو کو پھانسی چڑھاؤ" کا پوشیدہ نعرہ اس میں سے حذف کر دیں۔ جمعیت العلمائے پاکستان بظاہر بھٹو کو پھانسی دو کے نعرہ سے لاتعلق رہی ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پیپلز پارٹی کی قیادت اپنی تساہلی چھوڑ کر اور بائیں بازو کے گروہوں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے اس مطالبہ پر زور دے۔ این ڈی پی کے لئے موجودہ صورتِ حال میں اور کوئی لائحہ عمل نہیں ہو سکتا اور دوسری جانب سے لازماً وہ اس مطالبہ کو آگے بڑھائے گی اور پھر اصغر خان بھی اس ضمن میں عملی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ ابھی تک محض وہ زبانی کلامی ہی جلد انتخابات کا نعرہ لگا رہے ہیں کہ کل کو وہ اس دوڑ میں پیچھے نہ خیال کئے جائیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ افواہیں بھی گشت کر رہی ہیں کہ مولوی مشتاق حسین صاحب کی سربراہی میں الیکشن کمیشن سیاسی جماعتوں کے لئے ایک قسم کا لائسنس جاری کرنے والا ادارہ بھی بنایا جانے والا ہے کہ الیکشن میں کسی بھی صورت بھٹو کا بھوت نہ منڈلائے اور مثبت انتخابات اور مثبت نتائج کے حصول کے سلسلے میں کوئی دِقت نہ پیش آئے۔ دیکھیئے اور کیا کیا ہوتا ہے کہ پاکستان کے حالات تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں اور اب اس علاقے میں اور بھی نئی نئی تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور شہنشاہِ ایران بھی مشکل میں ہیں۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ میں بھی سوچتا ہوں۔ آپ بھی سوچیئے غور کیجیئے۔ آیئے مولانا مودودی کی تقلید میں ہم بھی دُعا کریں کہ اے اللہ تو ہمارے حکمرانوں کو ہمارے بنیادی جمہوری حقوق لوٹانے کی توفیق عطا فرما۔ ان کو پاکستان کے مسائل سمجھنے اور ان کی شدید بحرانی صورتِ حال کو سمجھنے کی توفیق عطا فرما اور انہیں ہدایت دے کہ وہ اس پاکستان کو مزید ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی راہ پر ڈالنے کی بجائے اس میں انصاف اور برادرانہ تعاون کی فضا اور جمہوری مقابلہ سے حکمرانی کرنے کے اصول کو صدقِ دل سے تسلیم کریں۔

اس دعا کے خاتمہ پر مجھے پھر یہ محسوس ہوتا ہے کہ مفاد پرستوں سے مفاد پرستی چھڑوانے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے تو عصائے موسیٰ کی ضرورت ہوتی ہے۔

بقیہ: نصرت بھٹو

۳۔ کہ درخواست گذار پاکستان کے سابق صدر اور سابق وزیر اعظم اور پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی بیوی ہے جنہیں لاہور ہائی کورٹ کی ایک خصوصی بینچ نے ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو مجرم قرار دیا ہے اور انہیں سزائے موت سنائی ہے۔

۴۔ کہ درخواست گذار پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بھی ہے۔

۵۔ کہ چیف آف دی آرمی اسٹاف و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ہاتھ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹے جانے کے وقت سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، درخواست گذار اور ان کی بیٹی مس بے نظیر بھٹو کو فوجی حکومت کی طرف سے انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا اور ہراساں کیا جا رہا ہے۔

۶۔ کہ پاکستان پیپلز پارٹی کا تقریباً ہر ایک رہنما نظر بند ہے یا فوجداری مقدمات میں ملوث ہے۔ پیپلز پارٹی کے ہزاروں کارکن جیلوں میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ انہیں طویل مدت کی سزائے قید اور کوڑوں کی سزائیں دی گئی ہیں۔

۷۔ کہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کو جب درخواست گذار اپنی بیٹی مس بے نظیر کے ساتھ پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان ٹیسٹ میچ دیکھنے قذافی اسٹیڈیم گئی تو اس پر پولیس نے حملہ کیا اور لاٹھی کی چوٹ نے اس کی کھوپڑی تقریباً توڑ دی۔ اس کی بیٹی کے کندھے پر بھی لاٹھی سے چوٹ لگی۔ درخواست گذار بھی شدید زخمی ہوئی، بے انتہا خون بہا اور اسے کئی روز تک یونائیٹڈ کرسچین ہسپتال میں داخل رہنا پڑا۔

۸۔ کہ اس وقت جب کہ درخواست گذار ابھی یونائیٹڈ کرسچین ہسپتال میں داخل ہی تھی کہ ۲۳ ۱۲/۷۸ کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے درخواست گذار کی اس کی رہائش گاہ یعنی ۳۱۔ جی گلبرگ III میں نظر بندی کے احکام ویسٹ پاکستان مینٹیننس آف پبلک آرڈر آرڈیننس کے تحت صادر کئے۔ اس وقت سے وقتاً فوقتاً کئی احکام جاری ہوئے تاکہ درخواست گذار کو مذکورہ رہائش گاہ کی چہار دیواری کے اندر محدود رکھا جائے۔

۹۔ کہ ۱۲-۳-۱۹۷۸ کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے ویسٹ پاکستان مینٹیننس آف پبلک آرڈر آرڈیننس کے تحت درخواست گذار کی اس کی رہائش گاہ کے اندر ۱۵ دن کے لئے نظر بندی کا حکم جاری کیا۔ اور مزید حکم دیا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا حکومت کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر درخواست گذار کسی سے ملاقات نہیں کرے گی۔ اس حکم کی بنیاد روزنامہ مساوات کا ۱۱-۳-۷۸ کا ضمیمہ تھا۔ حکم بحیثیت مشمولہ "اے" منسلک ہے۔

۱۰: کہ حکم مورخہ ۱۲-۳-۱۹۷۸ کے خاتمے پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے انہی وجوہات کی بنا پر جو حکم نظر بندی مورخہ ۱۲-۳-۱۹۷۸ میں مذکور تھیں۔ ۲۵-۳-۱۹۷۸ کو مزید ایک ماہ کے لئے نظر بندی کا حکم جاری کیا (مشمولہ "بی")۔ درخواست گذار نے حکومت کے سامنے اپنا موقف پیش کیا۔ ساتھ ہی ساتھ رٹ پٹیشن نمبر ۱۸۵۹ بابت ۱۹۷۸ء کے عدالت میں زیر سماعت ہونے کے دوران حکم نظر بندی جاری کیا گیا جو مشمولہ "سی" ہے۔ اس لئے درخواست گذار نے ترمیم شدہ رٹ پٹیشن داخل کی جس میں حکم نظر بندی مورخہ ۲۴-۴-۱۹۷۸ء (مشمولہ "سی") کو بھی چیلنج کیا گیا۔ فاضل اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل نے ترمیم شدہ رٹ پٹیشن داخل کرنے پر اعتراض کیا لیکن بعد میں یہ اعتراض واپس لے لیا اور رٹ پٹیشن پر قطعی دلائل کے لئے ۲۱-۵-۱۹۷۸ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ یہاں نشاندہی کی جا سکتی ہے کہ احکامات نظر بندی مورخہ ۲۵-۳-۱۹۷۸ و ۲۴-۴-۱۹۷۸ کے خلاف پیش کردہ موقف کو حکومت نے مسترد کر دیا۔

۱۲۔ کہ درخواست گذار کی نظر بندی مئی ۱۹۷۸ء کی ۲۲ تاریخ کی آدھی رات کو ختم ہو جاتی تھی۔ جب کہ فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے اس معزز عدالت کے روبرو بیان دیا کہ صوبائی حکومت نظر بندی کی مدت میں ۲۲-۵-۱۹۷۸ سے آگے توسیع نہیں کر رہی ہے اسی مناسبت سے ہز لارڈ شپ مسٹر جسٹس ذکی الدین پال نے رٹ پٹیشن کو نمٹا دیا۔ ہز لارڈ شپ کا حکم اور فاضل ایڈووکیٹ جنرل کا بیان مشمولہ "ڈی" ہے۔

۱۳۔ کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے جاری کردہ حکم کے اختتام سے پہلے مدعا علیہ نمبر ا نے سی ایم ایل او ۱۲ بشمول سی ایم ایل او ۲۳ کے تحت مورخہ ۲۱-۵-۱۹۷۸ سے حکم جاری کیا جس کے تحت درخواست گذار کی ۲۱-۵-۱۹۷۸ سے موثر تین ماہ کی نظر بندی کا حکم دیا گیا (مشمولہ "ای")۔ اس حکم کے ذریعے درخواست

مزدور، کسان، طلبہ کے بعد خواتین بھی صحافیوں کی جدوجہد میں شامل ہو گئیں

جنرل صاحب، نوکر شاہی کے مشورے کی بجائے مطالبات مان لیجئے

آزادیٔ صحافت کی بحالی کی جدوجہد اور آٹھ نکاتی جدوجہد کی تکمیل کے لئے ایپنک اور پی ایف یو جے کی تاریخ ساز جدوجہد ۱۸ جولائی سے آج بھی اسی جوش اور جذبہ سے جاری ہے جس پر حکومتِ وقت کے ہرکارے انگشت بدنداں ہیں۔ اب یہ جدوجہد صحافیوں تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں طلبہ، مزدور اور کسان بھی شانہ بشانہ شامل ہیں۔ موجودہ حکومت اور افسر شاہی نے اب بھی کان نہ دھرا تو نتائج خراب بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ۴۲ روزہ تحریک میں آزادیٔ صحافت کے ۲۷۱ جیالوں نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا ہے اور اندرون سندھ اور کراچی کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود ان کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں آئی ہے۔ انہوں نے پریس کی آزادی کے لئے پہلے بھی قربانیاں دی ہیں اور آئندہ بھی دینے کا عہد کر رکھا ہے اور یہ تحریک مطالبات کے پورے ہونے تک جاری رہے گی۔

صحافت کے اسیروں کے جیل سے موصول ہونے والے پیغامات اس قسم کے عزائم سے پُر ہیں جن سے عام آدمی بھی جوش میں ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تحریک کو چند ضمیر فروشوں نے ختم کرا دیا ہے یا ختم کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ ان کی بھول ہے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آزادیٔ صحافت کا یہ چراغ اب پھونکوں سے بجھایا نہیں جا سکتا۔ بلکہ اسے افہام و تفہیم کی فضا اور صلح و آشتی کے جذبہ سے آٹھ نکاتی مطالبات کو تسلیم کر کے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کی یہ سوچ سراسر غلط ہے کہ صحافیوں کے مسائل حل کر دیئے گئے ہیں اور اب ایسا کوئی مسئلہ باقی نہیں ہے۔ حکومت کے ہرکارے اگر اس تحریک پر نظر ڈالیں تو انہیں اس میں وہ سب کچھ دکھائی دے گا جو اسے اس کے ایلچی صحیح راہ اختیار کرنے سے روک رہے ہیں اور غلط پبلسٹی کے ذریعہ صحافیوں کے کاز کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں سیاسی تنظیموں کے بیشتر رہنماؤں نے بھی حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ صحافیوں سے سمجھوتہ کیا جائے اور ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کیا جائے۔ خیرپور جیل سے تحریک کے سربراہ جناب منہاج برنا نے اپنے ایک پیغام میں کہا ہے کہ صحافی ظلم کی زنجیروں کو قلم کے ایک ہی وار سے پاش پاش کر دیں گے اور اگر آٹھ نکاتی مطالبات پورے نہ کئے گئے تو جدوجہد جاری رہے گی۔ سزاؤں اور تشدد سے کشیدگی بڑھ رہی ہے انہوں نے کہا کہ ہم پاکستان کو پولیس اسٹیٹ نہیں بننے دیں گے۔ ادھر سرحد کے چالیس وکلاء نے ایک دستخطی بیان کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ تصادم کی پالیسی ترک کر کے صحافیوں سے مذاکرات کرے اور ان کے مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے منہاج برنا اور ان کے ساتھیوں سے جو صحافیوں کے حقیقی نمائندے ہیں مذاکرات کرے تاکہ موجودہ تص[...]

ہو۔ قومی محاذِ آزادی کے سربراہ جنا[...] اپنے بیان میں اس بات کی شدید مذم[...] کی حمایت میں جدوجہد کرنے والے صحا[...] محنت کشوں، ہاریوں اور طلبہ کو نہ [...] وقت زدوکوب کیا جاتا ہے بلکہ گرفت[...] اور بعض دیگر مقامات پر پوچھ گچھ [...] بیان لینے کی غرض سے شدید جسمانی [...] بنایا جا رہا ہے۔ اس قسم کے متعدد [...] آچکے ہیں۔ جس سے اندازہ کیا جا [...] یافتہ پولیس اپنے ہم وطنوں کے ساتھ [...] لئے جدوجہد میں مصروف ہیں غیر ملک[...] ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ فتح [...] ہوگی۔ اس لئے کہ وہ حقوق کے حص[...] رہے ہیں جو سب سے بڑا جہاد ہے [...] ہوتی ہیں۔"

گرفتار شدہ صحافیوں کو کراچی [...] لانڈھی، حیدرآباد سینٹرل جیل، سک[...] نواب شاہ جیل میں رکھا گیا ہے۔ ج[...] اور ۸ پریڈی لاک اپ میں ہیں ج[...] کو ۱۳ ستمبر کو ریمانڈ پر جیل بھیج دیا جا[...] اپ میں ۵ صحافیوں کو عدالت [...] رکھا جائے گا۔ خیرپور جیل میں [...] میں طاہر نجمی کا گروپ، سکھر میں ع[...]

[ز]اھد کی کھلی پریس کانفرنس کرائی جائے

ایپنک، پی ایف یو جے اور عوامی جدوجہد کمیٹی کی مشترکہ مجلسِ عمل نے اس سرکاری پریس کانفرنس کو حقائق سے پردہ پوشی کی بدترین مثال قرار دیا ہے جس میں بہاولپور کے صحافی جناب محمد زاہد کو حوالات میں تین اخباری کارکنوں کے سامنے اس حقیقت کی تردید کرنے پر مجبور کیا گیا کہ انہیں تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ صحافتی تاریخ میں یہ پریس کانفرنس اس لئے بھی مضحکہ خیز بات کے طور پر شامل ہو گی کہ حکومت اب قیدیوں کو تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد انہیں اپنی تحویل میں رکھتے ہوئے اپنے پالتو نام نہاد اخبار نویسوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ مجلسِ عمل سختی سے اپنے اس موقف پر قائم ہے کہ نہ صرف محمد زاہد پر تشدد کیا گیا ہ[...] اور اسمٰعیل اداسی کو بھی تشدد کا نش[...] تحریری بیانات مجلسِ عمل کے پاس محف[...] ان اوچھے ہتھکنڈوں سے باز نہ آئی [...] عکس نہ صرف ملکی اخبارات کو جاری کر[...] بلکہ انہیں بین الاقوامی ضمیر کے سا[...] قسم کی کارروائی سے اجتناب نہیں [...] مجلسِ عمل عوام کو اس حقیق[...]

ہ تصادم کی صورتِ حال ختم
راہ جناب معراج محمد خان نے
ید مذمت کی ہے کہ جائز مطالبات
ے صحافیوں، پریس کارکنوں
ر کو نہ یہ کہ گرفتار ی پیش کرتے
بلکہ گرفتاری کے بعد حوالات
پوچھ گچھ کے دوران اور حسب منشاء
جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ
متعدد واقعات منظر عام پر
کیا جا سکتا ہے کہ برطانوی بربریت
ے ساتھ جو ایک "جائز کاز" کے
غیر ملکی تیمنوں جیسا برتاؤ کرتی
ے کہ فتح آج نہیں تو کل ان کی
ں کے حصول کے لیے جنگ لڑ
ہے اور جہاد میں قربانیاں ناگزیر

کراچی سینٹرل جیل، لورسٹل جیل
ل، سکھر جیل، خیرپور جیل اور
ہے۔ جب کہ ۴ صحافی کھاراد
ں ہیں جن میں سے ۲ صحافیوں
یا جائے گا۔ اس طرح لاگ
لت میں چالان پیش کرنے تک
یں جناب منہاج برنا، نواب شاہ
م میں عرس ملاح، محمود علی اسد

ا گیا ہے بلکہ عبدالفتح ملین
کا نشانہ بنایا گیا جن کے
پاس محفوظ ہیں۔ حکومت
ز نہ آئی تو ان تحریروں کے
جاری کر دیئے جائیں گے
ے سامنے پیش کرنے میں کسی
ب نہیں کیے جائے گا۔
ں حقیقت سے آگاہ کرنا

وہاب صدیقی، محمود شام، اشرف شاد اور دیگر گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے

فری نیوز پیپرز ایڈیٹرز کونسل کے ایک غیر سرکاری اجلاس میں جو آج یہاں ڈیموکریٹ کے ایڈیٹر جناب محمود جاوید کی صدارت میں منعقد ہوا۔ کونسل کے تین ارکان ہفت روزہ معیار کے ایڈیٹر محمود شام اور ایگزیکٹو ایڈیٹر اشرف شاد اور ہفت روزہ الفتح کے ایڈیٹر وہاب صدیقی کی گرفتاری اور آزادیٔ صحافت کی راہ میں گرفتار ہونے والے صحافیوں، اخباری کارکنوں، ہاریوں اور مزدوروں پر تھانوں اور جیلوں میں تشدد کی سخت مذمت کی گئی۔ اجلاس میں اس سلسلہ میں جو قرارداد منظور کی گئی اس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ فری نیوز پیپر ایڈیٹرز کونسل کے ارکان محمود شام، اشرف شاد اور وہاب صدیقی سمیت گرفتار ہونے اور سزا پانے والے تمام صحافیوں، کارکنوں، ہاریوں، مزدوروں اور طلبا کو غیر مشروط طور پر فی الفور رہا کیا جائے اور پی یف یو جے اور اے پی این ایس نے مشترکہ طور پر جن جائز مطالبات کے لئے تحریک چلا رکھی ہے انہیں تسلیم کر لیا جائے گر ایسا نہ کیا گیا اور حقوق مانگنے والوں پر اسی طرح ستم توڑے جاتے رہے تو اس ملک میں آزادی جمہوریت اور ترقی کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائے گا۔

شبیر مساوات جو سی کلاس میں ہیں اور اس جیل میں جوہر میر والا گروپ جو ۱۲ افراد پر مشتمل ہے سی کلاس میں جیل کاٹ رہا ہے اس گروپ کو سمری ملٹری کورٹ سے سزا ہو چکی ہے۔ اس گروپ سے جیل کے حکام سخت مشقت لے رہے ہیں اور ان کو جیل میں کھانے کی اشیاء بھی حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق نہیں دی جاتی جس سے چند صحافی بیمار ہو چکے ہیں مگر انہیں مناسب علاج کی سہولت بھی مہیا نہیں کی گئی۔ اب تک فوجی عدالت سے ۲۰ صحافیوں کو قید سخت کی سزا سنائی جا چکی ہے۔ جس میں احمد علوی، خاور نعیم، سلیم شاہد اور محمد عمر کو چھ چھ ماہ کی سزا دی جا چکی ہے انہیں عدالت میں ہتھکڑیاں لگا کر پیش کیا گیا جس پر صحافیوں کی مرکزی مجلس عمل نے سخت۔ احتجاج کیا نیز مجلس عمل نے مطالبہ کیا ہے کہ صحافیوں پر جیل میں تشدد کی کھلی عدالتوں میں تحقیقات کرائی جائے اور تشدد کا نشانہ بننے والے صحافیوں کا طبی معائنہ کرایا جائے اور عوام کو بتایا جائے کہ جھوٹا کون ہے۔ اس کے علاوہ جیل سے موصولہ اطلاعات کے مطابق آزادیٔ صحافت کے جیالوں کو جیل سے جیپ نمبر کے اے ای ۲۴۴۱ کے ذریعہ نامعلوم مقامات پر لے جایا گیا۔ جہاں ان سے زبردستی بیانات لکھوانے کی کوشش کی گئی اس ٹیم کے افسروں کے نام اور عہدہ معلوم نہ ہو سکا البتہ ایک افسر کا نام محمود بتایا جاتا ہے۔ اب تک جن صحافیوں پر تشدد کیا گیا ہے ان میں محمد زاہد جو بہاولپور کے اخبار دستور کے سب ایڈیٹر ہیں سرفہرست ہیں۔ انہیں بقول ان کے الٹا لٹکایا گیا اور

چاہتی ہے کہ محمد زاہد جیسا صحافی تشدد کا نشانہ نہیں بنا تو حکومت اسے رہا کر کے عام اخباری کانفرنس کا اہتمام کیوں نہیں کرتی۔ پریس کانفرنس کا ڈھونگ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ محمد زاہد سے پہلے سرکاری تحریر شدہ بیان پر دستخط لے گئے تھے۔

مجلس عمل ابھی تک تشدد کی کارروائیوں کو نامعلوم ایجنسیوں سے دانستہ منسوب کرتی رہی ہے۔ حالانکہ اس کے پاس ایسے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ انہیں جیلوں میں کون لے جاتا ہے اور اس ایجنسی کا ملک کے کس اہم ترین ادارے سے تعلق ہے۔ مجلس عمل نہیں چاہتی ہے کہ نوکر شاہی اور مذکورہ ادارے کے بعض افراد کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ملک کا یہ اہم ترین ادارہ بدنامی کا شکار ہو اور عوام کی نظروں میں اس کے خلاف مزید نفرت پھیلے مجلس عمل مطالبہ کرتی ہے کہ تشدد کا سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے ورنہ اس کے تمام تر نتائج کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

ظلم وتشدد کی انتہا کردی گئی ۔ اخبارات میں ان کے حوالے سے شائع ہونے والی خبریں اسی تشدد کا نتیجہ ہیں جبکہ ۱۴ اگست کی رات ۱۱ بجے پریڈی پولیس کے اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے ایک صحافی کو فون پر بتایا کہ محمد زاہد رہا کر دیا گیا ہے اور وہ بہاول پور جا چکے ہیں ۔ تاہم حکومت اور ان کے ہرکارے اگر حق پر ہوتے تو زاہد کو رہا کر کے اس قدر خاموشی کے ساتھ بہاولپور نہ بھیج دیتے ۔ ایک اطلاع کے مطابق ان کی رہائی دراصل نظر بندی ہے کیوں کہ اس پر پولیس کا اب بھی بے پناہ دباؤ ہے جس کی وجہ سے وہ اصل حقائق بتانے سے قاصر ہے ۔

خواتین محاذ نے بھی صحافیوں کے کاز کی بھرپور حمایت کی ہے اور یقین دلایا ہے کہ اگر صحافیوں کے آٹھ نکاتی مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو خواتین سڑکوں پر نکل آئیں گی اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کریں گے

صحافیوں کی اس حالیہ تحریک نے یہ ثابت کردیا ہے کہ تشدد، ظلم اور حکومت کی خاموشی کے باوجود ان کے قدموں میں لرزش نہیں آئی اور وہ منزل تک ثابت قدم رہیں گے ۔ اور مفاد پرست عناصر جو چند سکوں کی خاطر فروخت ہوئے ہیں ان کی ریشہ دوانیاں ہمیشہ کے لئے ختم کردیں گے تاکہ صحافی برادری میں پھر کوئی میر جعفر اور میر صادق پیدا نہ ہو سکے ۔

تشدد کی کہانی مجاہدین صحافت کی زبانی

آنکھوں پر پٹیاں باندھی گئیں اور

پھر ”عزرائیل“ کے حوالے کر دیا گیا

۱۳ اگست کو ہمارے صحافیوں کے دستے نے جس میں جناب علی احمد خاں سینیئر رپورٹر روزنامہ ڈان کراچی، سید شوکت حسین مساوات لاہور، محمد یوسف (سندھی ہاری کمیٹی) محمد داؤد (نوجوان محاذ) اور محمد زاہد شامل تھے گرفتاریاں پیش کیں جب کہ پریڈی پولیس تین دوسرے افراد کو جن میں حسن ظہیر (سازداں) امیر بخش راجپر طالب علم اور انور علی کیمرہ مین شامل تھے، صحافیوں کی حمایت کرنے پر گرفتار کر کے ہمارے ساتھ ہی لے آئی۔ گرفتاری دیتے وقت چوک ریگل میں مجھے پکڑنے کے لئے ایک سادہ کپڑوں والا شخص بڑھا۔ جس نے گرفتاری کے وقت مجھے مارا بھی تھا۔ ۱۵ اگست تک ہم تمام لوگ پریڈی لاک اپ میں رہے اور اسی روز تقریباً دس بجے پولیس ہمارے چار ساتھیوں جناب علی احمد خاں، سید شوکت حسین، محمد داؤد اور محمد یوسف کو لاک اپ سے لے آئی اور غالباً انہیں سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا لیکن غالباً گیارہ بجے کچھ نا معلوم لوگ پریڈی تھانہ پہنچے اور وہ ہم چار افراد انور علی، حسن ظہیر اور امیر بخش راجپر اور مجھے (محمد زاہد) لاک اپ سے باہر لے آئے۔ یہ دستہ دس بارہ اور مسلح تھا۔ انہوں نے ہماری آنکھوں میں وہیں سے پٹیاں باندھ دیں اور ہمیں علیحدہ علیحدہ ہتھکڑیاں لگا دی گئیں اور پھر ہمیں جیپ میں بٹھا کر کسی نا معلوم جگہ پر لایا گیا اور ہمیں انتہائی تاریک کمروں میں جن میں نہ تو ہوا تھی نہ ہی کوئی روشندان تھا۔ جس کی وجہ سے انتہائی سخت حبس بھی پیدا ہو چکی تھی رکھا گیا۔ مجھے اپنے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا کہ کون کہاں ہے۔ ایک شخص نے جو کہ اپنا نام محمود ظاہر کرتا تھا میرے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال کر ایک کنڈے کے ساتھ باندھ گیا اور کہا کہ تم کھڑے رہو اور مجھ سے میرے کوائف پوچھتا رہا اور اسی دوران اس نے مجھے تھپڑوں، گھونسوں کی بارش کر دی اور کہا کہ تم چور ہے، کرایہ کا ٹٹو ہے۔ میں ابھی تمہیں تحریک میں حصہ لینے کا مزہ چکھا دیتا ہوں جنرل صاحب ایک شریف آدمی ہے۔ تم اس کے دور میں یہ تحریک چلاتے ہو۔ میں تمہیں ابھی مار دوں گا۔ ورنہ یہ کہو کہ تم پیسے لے کر یہاں آئے ہو اور اس تحریک کے سیاسی عزائم ہیں۔ لیکن میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور وہ مجھے یہ حکم دے کر چلا گیا کہ تم کھڑے رہو اور اس نے کمرہ باہر سے بند کروا دیا اور ایک شخص کو میری نگرانی پر مامور کر دیا اور دوپہر بارہ بجے سے اگلے روز ۱۶ اگست کو تقریباً آٹھ نو بجے تک مجھے کھڑے رکھا۔ لیکن وہ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تو پھر میری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں اور مجھے سیڑھیاں چڑھا کر اوپر ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ جہاں میرے پاؤں سے زنجیریں باندھ کر چھت کے ساتھ اُلٹا لٹکا دیا گیا اور چمڑے کے ایک لمبے سے ٹکڑے سے مارنا شروع کر دیا لیکن پھر بھی وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا تو تقریباً دو تین گھنٹے بعد مجھے چھت سے اتار لیا گیا اور پھر آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ایک دوسری جگہ لے جایا گیا جہاں پر ایک ٹھنڈے پانی کا حوض بنا ہوا تھا. اور تقریباً وہاں پندرہ بیس منٹ تک حوض میں رکھا گیا اور پھر پانی سے نکال لیا گیا اور پھر محمود نے مجھے کہا کہ ہماری بات مان لو ٹھیک رہو گے ہم تمہیں رہا کروا دیں گے اور ساری زندگی عیش کے ساتھ گزارو گے نہیں تو ساری زندگی جیل میں پڑے رہو گے میں نے اس کی ایک بات نہ مانی تو اس نے ایک خود ساختہ بیان تیار کیا جو کہ میرے سامنے تحریر نہیں کیا گیا تھا اور مجھے کہا کہ اس پر دستخط کرو۔ اس نے صحافیوں منہاج برنا اور سب لوگوں کو جو اس تحریک میں تھے زبردست گالیاں دیں اور پھر شیو وغیرہ بنوا کر میرا ایک فوٹو کھنچوایا اور کہا کہ

یہ ہمارا ریکارڈ ہے۔ تم سے پوچھ لیں گے۔ اس دوران ہمیں پانی وغیرہ دینے پر بھی پابندی تھی، اور نہ ہی کھانا دیا گیا اور پھر ایک دفعہ تو بندوق کی نالی بھی میری گردن پر رکھ دی گئی اور کہا کہ میں تین تک کہوں گا اور پھر سنتری گولی چلا دے گا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے کہا تم ساری

مجھے چھت پر الٹا لٹکایا گیا اور چمڑے سے پٹائی کی گئی

زندگی جیل میں گزارو گے یا ابھی تم عزرائیل کے سپرد ہو جاؤ گے اور تمہاری نعش کو ہمارے لئے ٹھکانے لگانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مارشل لاء کی حکومت ہے ہمیں بھلا کون پوچھ سکتا ہے۔ تمہارے گھر والوں کو بھی علم نہیں ہوگا اور پھر تمہارے گھر والوں کو پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا اور مجھ سے ایک زبردستی بیان جو کہ پہلے سے لکھا گیا تھا اپنے قلم سے تحریر کروا کر اس پر دستخط کروا لئے گئے اور پھر ایس ڈی ایم مسٹر شفیق پراچہ کے سامنے بھی وہی بیان تحریر کروا کر دستخط کروائے گئے۔ ایس ڈی ایم نے مجھ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ تم کس جگہ پر ہو تو میں نے بتایا کہ ہم نامعلوم لوگوں کی تحویل میں ہیں اور ہمیں نامعلوم مقام پر رکھا گیا ہے۔ اسی اثنا میں محمود وہاں پہنچ گیا اور وہ بیان ایس ڈی ایم کے سامنے دوبارہ تحریر کروایا گیا اور پھر مجھے دوبارہ سیل میں لے جایا گیا اور ۱۷ اگست کو تقریباً پانچ چھ بجے تک مجھے وہاں رکھا گیا اور مجھ سے پوچھا گیا کہ تم جیل جانا چاہتے ہو یا گھر، تو میں نے کہا کہ میں جیل جانے کو ترجیح دیتا ہوں اور انہوں نے کہا کہ جاؤ ہم تمہیں رہا کرتے ہیں اور پھر میرے ساتھ محمد ایوب، اسماعیل اداسی کو اسی سیل سے پریڈی تھانہ بھیج دیا گیا اور اس وقت ہمارے بعد ۲۰ اگست کو محمد عرفان، بابو اور محمد علی کو بھی سیل لے جایا گیا اور اس کے بعد ۲۰ اگست کی شام کو طاہر اعوان (لاہور) کو بھی اس سیل میں لے جایا گیا تھا۔

محمد زاہد — پی پی آئی (بہاول پور)

بتا دو، ورنہ تمہیں جان سے مار دیا جائے گا

اسیرِ صحافت محمد ایوب کی چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ کے نام درخواست
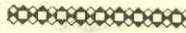
بخدمت جناب چیف جسٹس، عدالت عالیہ سندھ

جناب عالی!

گذارش ہے کہ ہم آزادیٔ صحافت کی تحریک میں ۱۵ اگست ۱۹۷۸ء کو صدر ریگل پر گرفتاری کے لئے پیش ہوئے ان میں میرے (محمد ایوب) کے علاوہ چار دوسرے ساتھی تھے جن کے نام یہ ہیں، حسان الحق، محمد سومار اسمٰعیل اداسی اور نور خان۔ گرفتاری کے بعد ہمیں پریڈی اسٹریٹ پولیس اسٹیشن کے لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ ہمیں کسی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ ۱۶ اگست کو دوپہر کے بعد میں اور میرے دو ساتھی نور خان اور اسمٰعیل اداسی تھانے سے باہر بلا لئے گئے۔ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور ایک جیپ میں بٹھا کر ہمیں کسی نامعلوم جگہ پر لے جایا گیا۔ ہم اس جگہ کو دیکھ نہیں سکے کیونکہ ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پورے راستے میں ایک شخص گالیاں نکالتا رہا۔ جب جیپ رکی تو ہمیں کچھ لوگوں نے پکڑ کر الگ الگ کمروں میں پہنچا دیا۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد آنکھوں سے پٹی کھولی گئی۔ یہاں عجیب و غریب قسم کی خوفناک آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے تھوڑی دیر بعد ایک صاحب تشریف لائے انہوں نے بغیر کچھ کہے مارنے پیٹنے کی ابتدا کر دی۔ پھر مجھے کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ گالیاں نکالی گئیں۔ مرغا بنایا گیا اور گالیاں بکتے ہوئے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ مجھے اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے کس نے پیسے دیئے تو مجھے جان سے مار دیا جائے گا۔ مجھے یہ بھی کہا گیا کہ اگر میں کسی پیپلز پارٹی والے کا نام لے دوں تو مجھے نہ صرف رہا کر دیا جائے گا بلکہ کئی ہزار روپے بھی انعام میں دیئے جائیں گے۔ میں نے جب انکار کیا اور یہ بتایا کہ میں اس تحریک میں رضاکارانہ طور پر حصہ لے رہا ہوں اور اپنے دفتر روزنامہ آزاد لاہور سے ایک سو روپے بطور پیشگی لے کر آیا ہوں تو انہوں نے مجھے پھر مارا پیٹا اور رات بھر یہی سلوک ہوتا رہا۔

جناب عالی! میں پہلے سے ہی ٹی بی دق جیسے موذی مرض کے ابتدائی مرحلے میں ہوں، اور ذہنی اور جسمانی تشدد سے میری تکلیف دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔

دوسرے روز شام کو ہمیں اس جگہ سے لے کر چلنے لگے تو پھر آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی، اور ہم جیپ ۱۷ اگست ۱۹۷۸ء کی شام کو پریڈی اسٹریٹ پولیس اسٹیشن پہنچائے گئے۔ ہماری آنکھوں سے پٹی اتاری گئی تو ہمیں پتہ چلا کہ ہم صرف دو ساتھی واپس آئے ہیں، ایک ساتھی نور خان لاپتہ ہے۔ ہم نے اس پر کچھ پوچھنا چاہا تو ایس ایچ او گل رحمٰن نے کہا کہ اس کو آزادیٔ صحافت کا مطلب سمجھایا جا رہا ہے۔ ہم ۲۳ اگست تک پریڈی اسٹریٹ پولیس اسٹیشن میں رہے اور ہم دیکھتے

رہے ہے کہ جو صحافی رضاکارانہ طور پر گرفتار ہو رہے تھے ان میں سے اکثر کو فوجی جیپیں لینے آتیں اور پھر ہمیں معلوم ہوتا کہ ان پر بھی اسی طرح تشدد کیا گیا ہے جن لوگوں کو ہمارے سامنے لے جایا گیا ان میں پاکستان ٹائمز کے سینیئر اسسٹنٹ ایڈیٹر عزیز صدیقی، الفتح کے طاہر اعوان، ہاری محمد شریف اور بہاول پور کے محمد ناہر کے نام مجھے یاد ہیں۔ ۲۳ اگست کو مجھے فوجی عدالت میں پیش کیا گیا اور ہم پر فرد جرم عائد کی گئی، جو ریگل چوک پر مظاہرہ کرنے نعرے لگانے اور بینر دکھانے کے الزامات پر مشتمل تھی۔ اس سلسلے میں ہمیں ۲۶ اگست کو اپنی صفائی کے لئے پیش ہونے کا حکم دیا گیا، میں نے فوجی عدالت کے سربراہ سے اپنے ساتھ گذرنے والے تشدد اور اذیتوں کی داستان بیان کی مگر انہوں نے کوئی کاروائی نہیں کی۔

جناب عالی!

میں مؤدبانہ گذارش کروں گا کہ میرے ساتھ اس غیر قانونی اور وحشیانہ کاروائی کے خلاف اور مجھے حبس بیجا میں رکھنے کے خلاف متعلقہ حکام سے باز پرس کی جائے، اور آئین کی رو سے مجھے جو بنیادی حقوق حاصل ہیں انہیں کچلنے پر ذمہ دار افراد کے خلاف کاروائی کی جائے۔ میں یہ بھی گذارش کروں گا کہ اس تشدد کے بعد میرے سینے میں تکلیف بڑھ گئی ہے۔ مجھے خون کی قے بھی آتی ہے اس لئے متعلقہ حکام کو حکم دیا جائے کہ میرا طبی معائنہ کرائیں اور علاج کی بہتر سہولتیں فراہم کریں۔ ورنہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔

جناب عالی!

میں مزید ملتمس ہوں کہ میرے دوسرے ساتھی نور خان اور طاہر اعوان جواب تک لاپتہ ہیں، ان کی بازیابی کے بارے میں متعلقہ حکام سے باز پرس کی جائے ساتھ ہی یہ پتہ چلایا جائے کہ پاکستان کے انتہائی سینیئر اور محترم صحافی اور پاکستان ٹائمز کے سینیئر اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب عزیز صدیقی کو گرفتاری کے بعد کہاں رکھا گیا ہے۔

استدعا ہے کہ مجھے عدالت کے خرچ پر وکیل کی خدمات فراہم کی جائیں اور وکیل کو مجھ سے جیل میں ملنے کی اجازت دی جائے تاکہ میں اس سلسلے میں اپنی باقاعدہ درخواست دائر کر سکوں۔

درخواست گذار

(محمد ایوب ولد

قیدی کراچی سنٹرل جیل

بیرک ۲۳۔ سی کلاس

وہ پوچھتے تھے کہ پیسے کس نے دیئے؟

۱۵ اگست کی شام کو ۱/۲ ۳ بجے گرفتاری پیش کرتے وقت پولیس نے بہت تشدد کیا مکے مارے اور جوتوں سے ٹھوکریں ماریں جس کے نتیجے میں میرا پاؤں شدید زخمی ہو گیا، جس سے دو دن تک خون نکلتا رہا۔ ۱۶ اگست کی شام کو نامعلوم لوگ پریڈی پولیس اسٹیشن سے میری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر مجھے نامعلوم جگہ پر لے گئے، ہم تین تھے جن میں (اسماعیل اداسی)، ایوب (لاہور) اور کراچی کے مزدور نور محمد خان شامل تھے۔ جیپ سے اترتے وقت ہم پر تشدد کیا گیا میرے چہرے پر مکے مارے گئے جس کے نتیجے میں میرے منہ سے خون نکلنے لگا۔ مجھے ایک مکمل بند کھولی میں بند کر دیا گیا۔ ساری رات پاؤں پر کھڑا رہنے کا حکم دیا گیا اس کے علاوہ ہر پانچ منٹ کے بعد سادے لباس میں تین آدمی باری باری آتے رہے جنہوں نے ہمدردی کی اور لالچ دے کر پوچھا کہ میں یہ بتاؤں کہ مجھے کس نے بھیجا ہے اور کس نے پیسے دیئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں کسی بھی آدمی کا نام لوں تو وہ میرا نام ظاہر نہیں کریں گے، حتیٰ کہ اگر میں نے کچھ مانگا تو وہ بھی سب مجھے دیا جائے گا۔ میں نے تینوں آدمیوں کو ایک ہی جواب دیا۔ مجھے کہا گیا کہ میرے دوسرے ساتھیوں نے سب کچھ بتا دیا ہے اور دھمکی دی گئی کہ "اگر تم نے جھوٹ بولا تو تجھے بجلی کے کرنٹ لگائے جائیں گے یا تجھے گولی مار دی جائے گی۔ میں نے کہا کہ میں سندھی ہاری کمیٹی کی طرف سے آیا ہوں۔ مجھے کچھ بھی پیسے نہیں دیئے گئے ہیں۔ میں نے اپنا خرچ خود کیا ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ سندھی ہاری کمیٹی کا کنوینر شیر خان لنڈ کی ایڈریس دی جائے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں ہے شاید اسے بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس کے بعد مزید تشدد کیا گیا۔ ۱۷ کی صبح کو پوچھ گچھ کے بعد پھر تشدد کیا گیا۔ اس کے بعد مختلف ٹولیوں نے پوچھ گچھ جاری رکھی مگر کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تو بارش میں مجھے باہر لے جایا گیا۔ جہاں لوہے کی سیخوں پر باندھ کر سلایا گیا۔ آنکھیں بھی بند کی گئی تھیں یہ سلسلہ گھنٹوں جاری رہا۔ بارش مزید شدید ہونے پر مجھے واپس کھولی میں لے جا کر پھر وہاں تشدد کیا گیا۔ اس طرح ۴۸ گھنٹے تک مجھ پر تشدد کیا گیا۔ مگر میرا بیان وہی تھا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا میرے ایران، افغانستان اور ہندوستان میں عزیز رہتے ہیں؟ میں نے بتایا۔ میرے عزیز فقط بدین میں رہتے ہیں۔ مجھے کہا گیا کہ چونکہ اتنے تشدد کے باوجود تم اپنی بات پر ڈٹے ہوئے ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تیرا کہیں بیرون ملک سے تعلق ہے۔ اس کے بعد سندھی میں بات کرنے والے ایک اور صاحب کو بھیجا گیا کہ اس نے مجھے بتایا کہ "مجھے تیرا احساس ہے تو بھی سندھی ہو اور میں بھی سندھی ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ تجھے مار دیں گے، تو نے ابھی تک شادی بھی نہیں کی، ابھی نوجوان ہو، تیرے چھوٹے چھوٹے بھائی ہیں، اس کا تجھے خیال کرنا چاہیے۔" مگر میں نے اسے وہی جواب دیا۔ اس نے مجھے کہا کہ تو اگر سچ بتا دے تو تجھے آزاد کر دیا جائے گا۔ یا دوسرے کسی کا نام بتا دے۔ میں نے کہا کہ میں اپنی مصیبت دوسرے کے سر پر نہیں باندھوں گا۔ اور میں اپنے مقصد سے سچا رہا۔ اس کے بعد میری آنکھوں پہ پٹیاں باندھ کر ۱۷ کو لاک اپ میں لایا گیا۔ یہاں میں ۲۲ اگست تک رہا۔ اس دوران مجھے سخت بخار تھا۔ سر میں درد اس کے علاوہ تھا ان ظالموں کو بار بار اطلاع دینے کے باوجود میرے علاج کا بندوبست نہیں کیا گیا۔ دوستوں کی ہمدردی سے مجھے کچھ گولیاں ملیں جس سے کچھ آرام آیا ۲ دن مسلسل بخار رہا۔ لاک اپ میں کوئی صفائی وغیرہ نہیں تھی۔ بارش کا پانی اندر آ رہا تھا اس کے علاوہ کچرہ اور گندگی بھی بہت اکٹھی ہو گئی تھی، آدمی آرام کر نہیں سکتا تھا۔ آخر ۲۳ کو مجھے مارشل لاء کورٹ میں حاضر کیا گیا۔ جہاں مجھے اپنے دوست ملے۔

اسماعیل اداسی

خوش قسمت وہ ہیں
جنہیں فوراً سزا مل جاتی تھے

میانوالی

اسلم شیخ

مٹھی گرما دی جائے تو جیل میں بھی ٹھاٹھ کی زندگی بسر ہوتی ہے

میانوالی جیل میں قیام صرف ۲۵ دن رہا ــــ ۱۶ مئی سے ۱۰ جون تک ــــ ایک لحاظ سے یہ بہت مختصر عرصہ ہے۔ مگر قیام کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مدّت سے وہاں رہ رہے ہیں ۔ رہائی کے وقت تک ہم نے یہ سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ کہ ہم یہاں ہی کے رہنے والے ہیں ۔ اور ہم نے تقریباً ۲۰۰۰ کی اس آبادی میں اپنے لئے اچھی خاصی جگہ بنالی تھی لوگوں نے ہمیں پہچاننا شروع کر دیا تھا۔ اور ہمیں دیکھ کر مسکرانا بھی ــــ بعض لوگوں نے ہم سے عرضیاں لکھوانی بھی شروع کر دی تھیں (گو اکثر یہ کام افضل اور حشمت وفا کے سپرد تھا۔ جو اس کام میں کافی ماہر نکلے) ــــ غرض ہم لوگ اس بستی کے معتبر شہری بن گئے تھے اور اس جگہ سے اس کی تمام بوریت ــــ یک رنگی ۔ اور اکتا دینے والی گرمی کی لمبی دوپہریں اور اداس شاموں کے ــــ ہم ایک خاص قسم کی وابستگی محسوس کرنے لگے تھے ۔ خاص طور پر یہاں کے باسیوں سے ــــ جن میں سے اکثر اپنے آپ کو بے گناہ تصور کرتے تھے ــــ وہ لوگ جو "اخلاقی" مجرم کہلاتے تھے اور جنہیں ۷ سال سے ۲۰۔ ۲۵ سال کی سزائیں بھگتنی تھیں ــــ ان میں سے ایک صاحب بڑے مزے کے آدمی تھے ۔ وہ اپنا دل بہلانے کے لئے ہر صبح اپنے چند دوستوں سے رخصت لینے آتے تھے۔ اور کہتے "بھئی گلے مل لو ۔ شاید آج ہی میری رہائی آجائے"۔ اگرچہ ان کی سزا کے ابھی ۱۰۔ ۱۵ سال باقی تھے ۔ ایک اور صاحب تھے جو اپنا زیادہ وقت سو کر گزارتے تھے ۔ میں نے ایک دن اشارتاً ان کے زیادہ سونے پر چوٹ کی ۔ کہنے لگے ۔ جناب! یہ اتنے ڈھیر سارے سال جاگ کر کیسے گزار سکتا ہوں!

ــــ ان میں وہ لوگ بھی تھے ۔ جن کے مقدمات کا فیصلہ ابھی نہیں ہو پایا تھا ۔ مگر جو سالوں سے وہاں پڑے تھے ۔ اور وہ لوگ بھی جن کی اپیلوں کے فیصلے ہونے تھے ۔ مگر وہ سالوں سے پھانسی کی کوٹھڑیوں میں رہ رہے تھے ۔ ایک صاحب نے ایک دن ہم سے ہنس کر کہا کہ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ تین دن میں مقدمے کا فیصلہ ہو گیا ۔ اور آپ نے اپنی چھ ماہ قید کے دس دن گذار بھی لئے ہیں ــــ جرم و سزا کی دنیا کا ایک بہت اذیت ناک پہلو ہے ۔

میانوالی جیل میں دو ہفتے ہم نے "ج" کلاس میں ہی گزارے ۔ اور آخری ایک ہفتہ "B" میں ۔ "ج" کلاس میں قیام زیادہ دلچسپ ہوتا ہے ۔ کیوں کہ آپ کو جیل کے کئی رنگا رنگ کے کرداروں سے ملنے کا موقع ملتا ہے ۔ ان میں ایک خاص شخصیت خان زمان خان کی تھی ۔ یہ میانوالی کے مشہور سیاسی لیڈر بھی ہیں ۔ جمعیت العلمائے اسلام (ہزاروی گروپ) سے تعلق ہے ۔ سفید ریش اور نورانی چہرہ ۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی ایک عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزری تھی ۔ شاید ۱۹۲۸ء سے جیل یاترا کرتے آئے ہیں ۔ مختلف وقفوں کے ساتھ ۔ بہت بارعب شخصیت ہیں ۔ اور زبان کے سخت شاید اسی لئے اکثر میانوالی کے قانون کے محافظوں سے انکی

چپقلش رہتی تھی ۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد میانوالی جیل آجاتے ہیں ۔ انہوں نے کمرہ کے ایک کونے میں اپنا ایک گھر سا آباد کر لیا تھا ۔ ٹھنڈا پانی پینے کے لئے ایک عدد کولر بھی رکھا ہوا تھا ۔ جس سے کبھی کبھار ہم بھی مستفید ہو جایا کرتے تھے ۔ پانچ وقت نماز پڑھتے اور پڑھاتے اور اپنی گرجدار آواز میں اذان بھی خود ہی دیا کرتے ۔ اور پھر ہم ستر ہ آدمی جو اسی کمرے میں تھے، میں سے اکثر ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ۔ محمود و ایاز ان کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہم سات اخباری کارکنوں کے علاوہ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو قتل کے مقدمے میں ماخوذ تھے ۔ ایک صاحب غبن کی سزا بھگت رہے تھے ۔ وغیرہ، وغیرہ ۔

ہماری جیلوں کا نظام بظاہر ایک مینول کے تابع ہے اس "آئین" کو بنیادی طور پر انگریزوں نے تشکیل دیا تھا ۔ اور آزادی کے بعد اس میں گاہے بگاہے ترمیمات بھی ہوئی ہیں ۔ مگر عملی طور پر اس ضابطے کا بھی ــــ جو خود سو سال پہلے کے حالات کے پیش نظر بنایا گیا تھا ۔ برائے نام اطلاق ہوتا ہے ہم نے جب جیل کے مقام سے اس ضابطے کی کاپی کی فرمائش کی تو جواب ملا ۔ آپ اسے بازار سے حاصل کر سکتے ہیں ۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ عملہ اکثر اس ضابطہ کا ذکر کرتا تھا ۔ مگر اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی عمل نہیں ہوتا تھا ۔ مثلاً ہمیں بتایا گیا کہ جیل کی اس بائبل کے مطابق ہر پڑھا لکھا قیدی خواہ وہ "ج" کلاس یا ہی کیوں نہ ہو ۔ ۲۰ منٹ کیلئے اخبار پڑھنے کا حق رکھتا ہے ۔ یعنی اخبار اسے جیل والوں نے مہیا کرنا ہوتا تھا ۔ جب تک ہم "ج" کلاس میں رہے ۔ یہ حسرت ہی رہی کہ جیل والے ہمیں ۲۰ منٹ چھوڑ ــــ ۵ منٹ کے لئے بھی اخبار دے دیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے خان زمان خان کے ذریعے باہر سے اخبار حاصل کرنا شروع کر دیا ۔ کیوں کہ انہوں نے باہر کی دنیا سے اپنے اثر و رسوخ کے باعث ایک خاص رابطہ قائم ہوا تھا ۔

اگر آپ کا اثر و رسوخ نہیں ہے اور آپ کے وسائل

مالی وسائل نہیں تو سی کلاس غلامی سے بدتر ہے

۔ خاص طور پر مالی ۔ نہیں ہیں تو پھر جیل کی "سی" کلاس میں آپ کی حیثیت ایک غلام سے بدتر ہے۔ جن کے پاس اہل کاروں کی مٹھی گرمانے کے لئے پیسے ہیں۔ وہ جیل میں بھی ٹھاٹ سے رہ سکتے ہیں۔ مثلاً انہیں "مشقتی" ہونے کے باوجود جیل کے کارخانے میں کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنا کام ٹھیکے پر دوسروں سے کرا سکتے ہیں۔ وہ ایک قسم کے غیر حاضر مشقتی بن سکتے ہیں۔ آپ کسی وقت بھی بیماری کا بہانہ کر کے "آرام" کرنے کا سرٹیفکیٹ حاصل کر سکتے ہیں یا آپ کی "مشقت" "آپ کی چکی" میں آ سکتی ہے۔ یعنی آپ کو کوئی آسان سا کام ۔ مثلاً دھاگوں کے لچھوں کو سلجھانا ۔ آپ کو آپ کے کمرے میں ہی دیا جا سکتا ہے۔ اور آپ جیل کی فیکٹری کی چلچلاتی دھوپ میں کام کرنے سے بچ سکتے ہیں ویسے مزے کی بات یہ ہے کہ قانونی طور پر آپ جیل کے اندر ایک پیسہ بھی لے کر داخل نہیں ہو سکتے ۔ مگر میانوالی جیل میں گردش میں آنے والی کرنسی کا یہ عالم تھا کہ اس دنیا کی "زیرزمین" مارکیٹ میں اشیاء کی قیمتوں کے لئے ایک اپنا ہی بڑھا ہوا نرخ تھا۔ مثلاً جو سگریٹ آپ کو بازار میں ڈیڑھ روپے میں ملتا ہے۔ وہاں دو میں دستیاب ہوتا۔

میانوالی جیل کا سب سے بڑا مذاق وہاں کا برائے نام ہسپتال تھا۔ جہاں آپ کو ڈاکٹر اور دوا کے سوا سب کچھ مل جاتا تھا۔ خواہ آپ کو پیٹ کا درد ہو۔ یا سر کا۔ آپ کو اسپرین قسم کی گولی پر ہی اکتفا کرنا پڑتا تھا۔ یا زیادہ تر پانی پر مشتمل ہاضمے کا مسکچر۔ زیادہ تر وہاں ایک کمپونڈر سے ملاقات ہوتی ۔ جن کے ماتھے پر ہمیشہ بل ہوتے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہم بغیر پیسے کے گاہک ہیں ۔ اکثر اپنے قیام کے دوران سنتے رہے کہ بڑے ڈاکٹر صاحب آج تشریف لاتے ہیں یا کل ۔ مگر ان کی شکل دیکھنے کی حسرت ہی رہی ۔ ہمارے ایک ساتھی جنہیں تفصیلی طبی معائنہ کے لئے ڈاکٹر کی ضرورت تھی۔ ان کی دید کے انتظار میں رہا بھی ہو گئے

"اے بسا آرزو کہ خاک شد"

۲۷ مئی کو جب ہماری "ترقی" ہوئی۔ یعنی ہم "بی" کلاسیے کہلائے تو جیل کے عملے کے لئے خاصہ مسئلہ پیدا ہو گیا۔ میانوالی جیل "بی" کے لوگ کم ہی آتے رہیں۔ اس لئے اس سو سال پرانی جیل میں اس قسم کی عیاشیوں کی گنجائش کچھ برائے نام سی ہے۔ بہرحال ہم نے جیل حکام کی مشکل آسان کر دی۔ ہم نے کہا ہم جہاں پڑے رہیں۔ وہیں رہنے دیجیئے۔ صرف چارپائیاں مہیا کر دیجیے۔ جس کا جواز اس "ترقی" کے بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ فرمائش فوراً پوری کر دی گئی ۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے اس ترقی پر مبارکباد دینے کے لئے ہمیں بلایا۔ اور بتایا کہ آج سے آپ ہمارے خاص قسم کے مہمان ہیں ۔ اور اب تو جیل مینول کے مطابق آپ کو بہت سی اچھی اچھی چیزیں کھانے کو بھی مل سکتی ہیں بلکہ ایک عدد "غلام" کی مدد سے ۔ جو سرکار ہمیں مہیا کرے گی۔ آپ ہر قسم کا کھانا سرکاری خرچہ پر پکوا سکتے ہیں ۔ مثلاً مرغ بھی ہفتہ میں ایک بار مل سکتا ہے اور انڈے بھی ۔ اور یہ بھی اور وہ بھی ۔ اور انہوں نے انگریز بہادر کے بنائے ہوئے قانون کی متعلقہ شقیں ہمیں پڑھ کر سنانی شروع کیں ۔ ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور دل ہی دل میں خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوتے اپنے رفقاء کے پاس آئے اور ان کو بھی خوشخبری سنائی ۔ اور سرکاری رسد کے منتظر ہوتے۔ خاص طور پر مرغ اور مچھلی کے ۔ مگر ایک بار پھر باقی کے دس دن بھی کچھ "آرزو" میں کٹ گئے۔ کچھ "انتظار" میں۔ بینگن تو روز ملتے رہے۔ مگر کسی اور سبزی اور مرغ کی حسرت ہی رہی۔ آخر ایک دن ہم نے ہمت کر کے شکایت کر دی اور خود ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے ہاں پہنچے انہوں نے فوراً جیل کے سٹور کیپر کو بلایا۔ ڈانٹا اور کہا کہ ان کو سب کچھ ملنا چاہیئے۔ انڈے ۔ ہر قسم کی سبزی وغیرہ۔ خوشی خوشی واپس آئے۔ کمرے میں ۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ آج رہا ہو رہے ہیں ۔ چکن کھانے کی حسرت پھر پوری نہ ہو سکی۔

اس ساری کہانی کا "حاصل" یہ ہے کہ قانون اور قواعد وضوابط میں تو سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ اخبارات میں آئے دن جیل کی اصلاحات کا تذکرہ بھی گزشتہ کئی سالوں سے چھپ رہا ہے۔ مگر اس "اندر" کی دنیا کی حالت وہی ہے جو غالباً گزشتہ صدی میں تھی اور غالباً اور بگڑ چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ احتساب کے عمل کو اگر جیل کے نظام کی طرف بڑھایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔ مثلاً اگر کوئی کمیشن قسم کی چیز قائم کی جائے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ ہزاروں "غلاموں" کی محنت شاقہ سے لاکھوں روپے کی جو "پیداوار" جیل کے کارخانوں میں تیار ہوتی ہے۔ اس کی اقتصادیات کیا ہے۔ وہ کس بھاؤ بکتی ہے ؟ اس کے خریدار کون ہیں ؟ اور اس کی آمدنی کن کاموں پر صرف ہوتی ہے ؟ تو بہت سے دلچسپ حقائق منظر عام پر آتے ہیں ۔ اور پھر یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ہزاروں روپوں کا دودھ۔ مکھن اور سبزیاں وغیرہ جو جیل کے لئے روز خریدا جاتا ہے۔ وہ کہاں سے خریدا جاتا ہے ؟ اس تمام کاروبار کی اقتصادیات کیا ہے ؟ اور اس کی کھپت کہاں ہوتی ہے ؟ وغیرہ وغیرہ ان انکشافات سے بھی بہت سے لوگوں کا بھلا ہو گا۔

علم کو قید نہیں کیا جا سکتا

ماندھل شوفزد کا نہیں تحریک کا نام ہے

مزدور طلباء کسان عوامی رابطہ کمیٹی (لاہور) کے ایک اعلامیہ کے مطابق مختلف دانشوروں، ترقی پسند رہنماؤں اور مزدور طالب علم لیڈروں نے ایک مشترکہ بیان میں پولیس کے قومی کتاب گھر حیدرآباد اور پنجابی ادبی مرکز ڈیرہ اسماعیل خان پر چھاپہ مارنے اور ہزاروں کی تعداد میں کتابیں اٹھالے جانے، صوبہ سندھ اور صوبہ سرحد خاص طور سے مالاکنڈ میں ترقی پسند لٹریچر رکھنے پر گرفتاریوں کی شدید مذمت کی ہے۔

اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ قومی کتاب گھر حیدرآباد سے جو کتابیں پولیس نے اٹھالی ہیں وہ متعدد سائنسی، علمی اور تدریسی موضوعات پر ہیں اور ان میں سوویت یونین کا دستور بھی ہے جو ہمارے ملک کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے۔ جن ادیبوں شاعروں کی کتابیں ضبط کی گئی ہیں۔ ان میں قابلِ ذکر حبیب جالب اور پنجابی زبان کے دانشور فخر الزمان ہیں ۔ اعلامیے کے مطابق بیان پر دستخط کرنے والوں نے کہا ہے ترقی پسند خیالات کو عوام تک پہنچنے سے روکنے کے لئے تشدد کا طریقہ کبھی بھی سود مند نہیں رہتا اور یہ ہمارا پختہ یقین ہے کہ تاریخ نے ان فرسودہ اور بددیانتی پر مبنی طریقوں سے عوام کے ذہنوں کو علم کی روشنی سے محروم رکھنے کی کوششوں کو ہمیشہ کے لئے مسترد کر دیا ہے۔ ہم اس

موقعہ پر حکومت کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ میکارتھی طرز کی اس انتقامی کارروائی سے باز رہے اور مطالبہ کرتے ہیں کہ ان ادارں سے قبضے میں کی گئیں کتابیں فوراً لوٹا دی جائیں۔

مشترکہ بیان پر دستخط کرنے والوں میں حبیب جالب، ڈاکٹر اعزاز نظیر، میجر (ریٹائرڈ) اسحٰق محمد، طاہرہ مظہر علی خان، شوکت نیازی، شیخ عبداللہ، عرفان ملک، پرویز عنائت ملک، سیف اللہ سیف، ہارون رشید، جہاں رشید، محمد علی، تقی نایاب، محمد علی، خالد رضا، محمد سلیم، سید مختار، راجا رحسن رفیق اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔

ایک اور اعلامیہ میں مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی نے سندھ ہاری کمیٹی کے رہنما جناب ماندھل شر کی، پر اسرار اغوا کے بعد سے گمشدگی پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جناب ماندھل شر کے بھائی جناب ثنا اللہ نے بتایا ہے کہ ان کی لاہور ہائی کورٹ میں دائر کردہ رٹ خارج کر دی گئی ہے اور سرکاری وکیل کے بقول وہ سکھر میں جاسوسی کے الزام میں میجر خان صاحب کی تحویل میں ہیں۔ جناب ثنا اللہ نے مزید کہا کہ اللہ اور رسول کا بار بار نام لینے والی حکومت میں اگر عوام کے ساتھ اسی طرح رویّہ رہا تو لوگ بالآخر سخت اقدام پر مجبور ہو جائیں گے۔ جناب ثنا اللہ نے کہا کہ ماندھل شر ایک فرد کا نام نہیں ہے۔ وہ پورے سندھ کے مظلوم ہاریوں کی تحریک کا نام ہے اور ایک بھائی کی حیثیت سے مجھے معلوم ہے کہ حکومت انہیں جبر اور سختی سے جھکنے یا بکنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ وہ جان دے دے گا مگر ظلم اور جبر کے آگے سر نہیں جھکائے گا۔ وہ اس سے قبل بھی کئی امتحانوں سے گذر چکا ہے۔

حیدرآباد میں مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے ارکان نے صحافیوں کی حمایت میں بھوک ہڑتال کی تھی جس کے نتیجے میں انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے اور جیل میں ان پر تشدد کیا جا رہا ہے زرعی یونیورسٹی ٹنڈو جام کے طالب علم مانجھی خان کو بری طرح زدوکوب کیا گیا جس سے ان کی آنکھیں بری طرح متاثر ہوئی ہیں اور شدید چوٹیں آئی ہیں۔ انتظامیہ کی اس سنگدلی پر ان کے کئی ساتھیوں نے بھوک ہڑتال کر دی جس پر انتظامیہ نے تشدد تیز کر دیا لیکن ان کا علاج نہیں کروا رہی ہے۔ اسی طرح مزدور رہنما جناب قلندر بخش مہر کو بیڑی پہنا کر دوسرے قیدیوں کے ساتھ بند پر کام کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ پاکستان ورکرز فیڈریشن کے جائنٹ سیکریٹری جناب یامین رانا نے جیل حکام کے اس بہیمانہ رویّے پر احتجاج کرتے ہوئے اس کی پر زور مذمت کی ہے۔ ■

بہاول پور میں ہڑتال، آٹے کی قلت

ٹھیکیداروں کی ملی بھگت

محبوب علی رانا

گذشتہ دنوں بہاولپور کے تاجروں اور دکانداروں نے بلدیہ کے نئے محصول شیڈول کے خلاف تین روز تک ہڑتال رکھی یہاں کا کاروبارِ نظام ہڑتال کی وجہ سے جام ہو کر رہ گیا۔ ہم اسے چھوٹا معاشی بحران کہہ سکتے ہیں۔ جو پورے ملک کی اقتصادی صورتحال کی عکاسی کرتا ہے۔ بہاولپور شہر سابق ریاستی دارالخلافہ اور موجودہ ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے ملک کے اہم شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ ڈیڑھ دو لاکھ کی آبادی سے اس شہر کو پہلی بار ہڑتال کے پس منظر کو سمجھنے کا موقع ملا ٹھیکیداروں کے گروہی مفادات اور انتظامیہ کا اپنے مفاد میں ایک پارٹی کی حد سے گزر کر حمایت کرنا اور پھر عام دکانداروں کے مفادات کو ایک بے اصولے کاروباری شخص کے مفاد کے ساتھ عملاً گڈمڈ کر کے پیش کرنے کی کوششیں سرکاری ٹھیکوں میں مخصوص ٹھیکیداروں کو نوازنے کی سرکاری کوشش۔ ٹھیکیداروں میں "پول" کے ذریعے باہمی خفیہ سمجھوتہ ٹوٹ جانے کے بعد یہ تمام اندرونی کہانی سکرین پر فلم کی طرح سامنے آگئی۔

بہاول پور شہر اس ہڑتال کے بعد آٹے کی کمیابی کے بحران کی زد میں ہے۔ محنت کشوں کی بستیوں میں واقع راشن ڈپوؤں پر فجر کی نماز کے وقت ہی آٹے کے حصول کے لئے لمبی لمبی قطاریں لگ جاتی ہیں۔ ان ڈپوؤں پر آٹے کے حصول کے لئے محنت کش اسی طرح لڑتے رہتے ہیں جس طرح قومی اتحاد کے رہنما وزارتوں کے حصول کے لئے آپس میں الجھ پڑتے ہیں۔

آٹا عوام کی بنیادی ضرورت ہے۔ عوام بڑے صبر والے واقع ہوئے ہیں۔ اگر وہ آٹے کے بغیر زندہ رہ سکتے تو وہ یقیناً آٹے کے حصول کے لئے خاموشی اختیار کر لیتے۔ وزارتیں "اقتصادی اقلیت" یعنی "سرمایہ داروں جاگیرداروں کی بنیادی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ اپنے "کالے دھن" کا تحفظ کر سکیں۔ اپنی دولت میں مزید اضافہ کر سکیں اور اعلیٰ ملازمتوں پر چیفس کالج کے پڑھے لکھے بچوں۔ عزیزوں اور دوستوں کو تعینات کرا سکیں۔ آج کل بہاولپور میں سیاسی لڑائی زوروں پر ہے۔ یہ سنا جا رہا ہے کہ پنجاب کی گورنری کے لئے نواب بہاولپور محمد عباس عباسی اور مخدوم زادہ حسن محمود میں کشمکش پائی جاتی ہے۔ سندھ کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل۔ ایس ایم عباسی کی وجہ سے نواب بہاولپور کی لابی مضبوط ہے۔ مخدوم زادہ حسن محمود کی لابی بھی کمزور نہیں ہے۔ اقتدار کو مرتکز کرنے کی بجائے بہت ممکن ہے تقسیم کر دیا جائے۔ اسی لئے تو جنگلی جانور پالنے میں شہرت یافتہ ایوبی دور کے وزیر سید احمد نواز گردیزی مرحوم کے جنازے پر مخدوم زادہ صاحب سے جب مقامی اخبار نویسوں نے وزیروں کے حلف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے شاہانہ بے نیازی سے کہا کہ آپ یہ پوچھیں کہ میں حلف کب لوں گا۔

مخدوم زادہ حسن محمود صاحب بڑے زوردار سیاست دان ہیں مسلم لیگ کے قائدین میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمیشہ اقتدار کی چھاؤں تلے رہے ہیں۔ ڈاکٹر خان کی ریپبلکن پارٹی میں شمولیت اختیار کر کے وزیر بن گئے تھے۔ ایوب خان نے ایبڈو کر دیا تھا۔ بعد میں مخدوم زادہ نے نہ جانے ایوب خان کو کیا گیدڑ سنگھی سنگھا دی تھی کہ ایوب خان انہیں بہت ہی عزیز جاننے لگے تھے۔ ایبڈو زدہ ہونے کی وجہ سے حکومت میں براہِ راست شمولیت ممکن نہیں تھی۔ اس لئے حکومتی مراعات کے سہارے خوب بزنس کیا۔ یحییٰ خان کے دور میں مخدوم صاحب کی پوزیشن کا اندازہ ریٹائرڈ میجر جنرل راؤ فرمان علی کے اس مضمون سے لگایا جا سکتا ہے جو اردو ڈائجسٹ ماہ مئی کے شمارے میں چھپ چکا ہے ہم اسے من وعن درج کر رہے ہیں۔

"مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ تین دھڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اس تفرق اور انتشار کی وجہ سے مسلم لیگ کی قوت بے اثر ہو گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار صدر یحییٰ ڈھاکہ آئے یہ انتخابات سے چار یا پانچ ماہ پہلے کی بات ہے انہوں نے مجھے طلب کیا۔ ان کے پہلو میں مسلم لیگ (قیوم گروپ) کے حسن محمود بیٹھے تھے۔ یحییٰ خان نے کہا کہ حسن محمود شکایت کر رہے ہیں کہ ان کی جماعت کو بڑی حد تک نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ میں نے کہا ان کی شکایت بجا نہیں جو کچھ

ہمارے بس میں ہے ہم کر رہے ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ عوام کی کیا مدد کریں ۔ انہیں مشکل سے دو تین نشستیں مل سکیں گی ۔ میرے جواب پر جناب حسن محمود خاصے جز بز ہوئے اور عظیم الشان کامیابیوں کا دعویٰ کیا ۔ اب اگر انکے وسائل کسی بہتر طور پر منظم سیاسی پارٹی کو دے دیئے جاتے تو شاید صورت حال قدرے اچھی ہوتی۔"

مخدوم زادہ صاحب ہمیشہ ہی اسلام کے قلعے پاکستان کی حفاظت کے لئے سر بکف رہے ہیں ۔ اب جبکہ جنرل ضیاء الحق ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے سر دھڑ کی بازی ہی لگائے ہوئے ہیں ۔ مخدوم زادہ صاحب کی پہلی صف میں موجودگی پہلے سے زیادہ ضروری ہو گئی ہے ۔ بہاولپور میں قومی اتحاد کے تمام سیاسی لیڈر وزارتوں کے جوڑ توڑ میں مصروف ہیں ۔

"آٹے کا بحران" جاننے کے لئے میں نے عوامی رہنما مسٹر موسیٰ سعید سے تبادلہ خیال کیا ۔ انہوں نے بتایا کہ محکمہ فوڈ نے ۹۳۰ گرام یعنی ایک سیر فی بالغ فی ہفتہ راشن مقرر کیا ہے ۔ جب کہ بالغ آدمی کی ضرورت ایک پاؤ آٹا ایک وقت اور ہفتے کی ضرورت ۴ سیر ہوتی ہے ۔ محکمہ خوراک نے اپنے تازہ فیصلے میں شیر خوار بچوں کا راشن ختم کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ محنت کشوں کے بچے دودھ کی کمی کی وجہ سے ۱½ دو سال کی عمر میں ہی روٹی کھانا شروع کر دیتے ہیں ۔ اس کے علاوہ موجودہ راشن کارڈز ۱۹۷۶ء میں بنائے گئے تھے ۔ جبکہ تقریباً ۲ سال کا عرصہ گذر چکا ہے ۔ اس وقت کے یہ بچے اب بڑے ہو کر یقیناً سوکھی روٹی بھی کھانے لگے ہوں گے ۔ مسٹر موسیٰ سعید نے بتایا کہ برطانوی سامراجی حکومت کے دور میں دو سیر دس چھٹانک فی ہفتہ راشن مقرر تھا ۔ لیکن اسلامی دور میں آٹے کا یہ شیڈول نامناسب ہے ۔ اس کے علاوہ محکمہ فوڈ ضرورت کا بیس فی صد آٹا ڈپوؤں کو مہیا کرتا ہے یعنی انسانی ضرورت کے تیسرے حصے کا بھی بیس فی صد آٹا ڈپوؤں پر مہیا کیا جا رہا ہے ۔ محنت کش اپنے لئے سال بھر کی گندم خریدنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے ۔ اس لئے محنت کشوں کی بستیوں میں واقع ڈپوؤں پر آٹے کی مقدار میں فوری اضافہ کی ضرورت ہے ۔ مسٹر موسیٰ سعید نے ڈپوؤں ہولڈروں کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا ۔ اسلامی انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے مسائل پر ہمدردی سے سوچا جائے محکمہ فوڈ ۹۳ پیسے فی کلو آٹا ملز کے گیٹ پر ڈپو ہولڈروں کو مہیا کرتا ہے ۔ جسے ڈپو ہولڈر ۹۴ پیسے فی کلو راشن کارڈ ہولڈر کو تقسیم کرتا ہے ۔ ملز سے ڈپو تک عام طور پر فی بوری (۸۵ کلوگرام) بار برداری کا خرچ دو روپے آتا ہے اور تقریباً ایک کلو فی بوری آٹا ضائع ہو جاتا ہے یعنی اس طرح ڈپو ہولڈر کو آٹے کی فی بوری تقسیم کا معاوضہ دو روپے نو پیسے میں خالی بوری کی صورت میں بچتی ہے ۔ یہ خالی بوری جو گندم کے ساتھ محکمہ فلور ملوں کو مہیا کرتا ہے وہ اسے بدل کر پرانی بوری آٹے کیساتھ ڈپو ہولڈروں کو مہیا کرتے ہیں ۔ یہ بوری بمشکل پانچ روپے میں فروخت ہوتی ہے اس طرح ڈپو ہولڈر کو ۲ روپے ۹ پیسے فی بوری بچتے ہیں ۔

انصاف کے منہ پر طمانچہ

محمود، پشاور

پاکستان سوشلسٹ پارٹی سرحد کے سیکرٹری جنرل جناب عبدالوحید ایڈووکیٹ کو ۱۳ جون کو محنت کشوں کے فلسفہ کی اشاعت و فروغ کے "جرم" میں گرفتار کر لیا گیا تھا ۔ ان کی غیر قانونی گرفتاری کو پشاور ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا گیا ۔ رٹ درخواست کی ابتدائی سماعت ۲۵ جون کو ہوئی اور اس کے بعد سے تاحال تاریخیں پڑ رہی ہیں ۔ چونکہ انتظامیہ عدالت عالیہ کے آگے ان کے خلاف ریکارڈ پیش کرنے میں مسلسل ناکام ہو رہی ہے اور ہر ناکامی کے بعد کسی دوسری تاریخ کا پڑ جانا لازمی امر ہی تو ہے !

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل عبدالوحید ایڈووکیٹ کے ساتھ ہی حکومت سرحد نے نیشنل پروگریسو پارٹی کے جنرل سیکرٹری افراسیاب خٹک ۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے منی کوٹ کے جنرل سیکرٹری امیر محمد خان اور مزدور کسان پارٹی کے عظیم شاہ ایڈووکیٹ کے علاوہ دوسرے مزدور راہنما مالاکنڈ سازش کیس میں ملوث ہیں ۔ مذکورہ راہنماؤں کی گرفتاری کو تقریباً اڑھائی ماہ گزر گئے ہیں حکومت ابھی تک اس مقدمے کا چالان کسی بھی عدالت میں پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ ان راہنماؤں کی ضمانت کی درخواستیں بھی سیشن جج صاحب مالاکنڈ کی عدالت میں گرفتاری سے متعلق ریکارڈ کی عدم دستیابی کی وجہ سے التواء میں پڑی ہیں ۔ کیا عدالت عالیہ انتظامیہ کے سامنے بے بس ہے؟ اس سوال کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے ۔ محنت کشوں کے نوجوان راہنما انصاف کی راہ دیکھ رہے ہیں کیا انتظامیہ کا دو ماہ تک عدالت عالیہ میں ریکارڈ نہ پیش کرنا انصاف کے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف نہیں ہے ۔

گذشتہ دنوں پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل عابد حسن منٹو پارٹی کے صوبائی سیکرٹری جنرل جناب عبدالوحید ایڈووکیٹ کی غیر قانونی گرفتاری کے خلاف دائر شدہ رٹ درخواست کی پیروی کرنے پشاور تشریف لائے ۔ پشاور میں عابد حسن منٹو نے کارکنوں کے ایک غیر رسمی اجلاس سے بھی خطاب کیا ۔ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے عوامی جمہوری اتحاد کے اجلاس منعقدہ لاہور ۱۶ اگست کے فیصلوں کے متعلق بتایا کہ آئندہ ماہ کے وسط میں پاکستان بھر کے ترقی پسندوں کی ایک کانفرنس لاہور میں طلب کی جائے گی ۔

جناب منٹو نے امریکی امداد کے بند ہونے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان سوشلسٹ پارٹی اور دوسری تمام بائیں بازو کی پارٹیاں ہمیشہ سے سامراجی ممالک سے قرضے اور امداد کے نام پر خیرات لینے کی مخالف رہی ہیں ۔ امریکی امداد اور قرضوں کا مقصد درحقیقت پاکستان اور دوسرے ترقی پذیر ممالک کو سامراج کی معاشی زنجیروں میں جکڑنے اور ان کی ترقی کو مستقل روکنے اور امریکی امداد وصول کرنے والے ممالک کو سامراجی سیاست کا غلام بنانے کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ سوشلسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل نے کہا کہ ۱۹۵۴ء سے لیکر آج تک امریکی معاہدوں کی رو سے حاصل ہونے والی نام نہاد امداد و قرضوں کا سوائے اس کے کوئی نتیجہ نہیں نکلا کہ وطن عزیز اب تک صنعتی، زرعی اور عام معاشی زندگی میں پسماندہ ہے ۔ ملک کی معیشت سامراجی قرضوں کے بوجھ تلے کراہ رہی ہے اور ہم سالانہ کروڑوں روپے صرف سود کی شکل میں امریکہ اور دوسرے ممالک کو ادا کر رہے ہیں ۔ جناب منٹو نے کہا کہ سامراجی امداد اور قرضوں کا فائدہ صرف سرمایہ داروں اور نوکر شاہی نے اٹھایا ہے ۔ اور ان طبقات نے ملک کی آزادی کو گروی رکھ دیا ہے ۔ سوشلسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل نے ری پروسیسنگ پلانٹ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ری پروسیسنگ پلانٹ کا مسئلہ پاکستان کی سیاسی آزادی کے اظہار کا مسئلہ بھی ہے اور معاشی خود کفالت کا بھی اور اسی لئے سوشلسٹ پارٹی سمجھتی ہے کہ امریکہ نے یہ قدم پاکستان کی سیاسی آزادی پر دباؤ ڈالنے کے لئے اٹھایا ہے ۔ اور امریکی حکومت کا یہ اقدام پاکستان کے معاملات میں کھلی مداخلت ہے ۔

گوجرانوالہ

ماں کی ممتا لٹ گئی، باپ کی دنیا اندھیروں کی لپیٹ میں آگئی

کرم دینؒ کے کرم جل گئے

برقی رو سے ہلاک ہو جانے والے بچے

محمد افضل جنجوعہ

شہر کے نواحی محلے رحمان پورہ کا غریب مزدور کرم دین اور اس کی بیوی مسماۃ فاطمہ بی بی اپنے گھروندے میں بیٹھے سوچ رہے تھے کہ آج تو جوں توں کر کے بچوں کا پیٹ بھرنے کا اہتمام ہو ہی گیا ہے کل کے لئے کیا کریں گے۔ ان کے چھ بچے ان کے پاس ہی کھیل رہے تھے جب کہ ایک لڑکا کوٹھے پر تھا۔ کارخانہ دار نے کرم دین کو ایک روز پہلے کام سے جواب دے دیا تھا۔ میاں بیوی کو کیا خبر تھی کہ چند لمحوں کے اندر اندر اُن کا ہنستا بستا گھرانہ ویران ہو جائے گا۔ ماں کی ممتا لُٹ جائے گی۔ باپ کی دنیا اندھیر ہو جائے گی۔ کرم دین کے کرم جل جائیں گے۔ بے رحم موت ان کے ننھے ننھے بچوں کو جھپٹ لے جائے گی۔ روٹی کے لئے بلکنے والے اُن کے معصوم بچے زندگی کی ہر ضرورت سے بے نیاز ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو جائیں گے۔

محلہ رحمان پورہ کی تمام زمین ہندو متروکہ املاک ہے جس پر یونٹوں کے غیر قانونی کاروبار کے ذریعے کروڑوں روپے کمانے والے ایک مقامی سرمایہ دار کے برادرِ نسبتی نے زبردستی اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ یہ سب زرعی زمین تھی، مذکورہ شخص نے اسے رہائشی پلاٹوں کی حیثیت سے فروخت کر کے روپیہ سمیٹنا شروع کر دیا۔ اسی زمین پر سے ایک لاکھ تینتیس ہزار وولٹ کی ٹرانسمشن لائن گزرتی ہے۔ شعبہ برقیات کے خود اپنے وضع کردہ قواعد و ضوابط کے مطابق گرڈ کو جانے والی یہ لائن کسی آبادی میں سے نہیں گزاری جا سکتی اور جہاں سے یہ لائن گزر جائے اس کے ارد گرد رہائشی بستیاں نہیں بسائی جا سکتیں لیکن زور آور افراد تمام اصول و قوانین اور قواعد و ضوابط سے بالاتر مخلوق ہے۔ یہ قانون اور ضابطوں کے جال تو صرف غریب عوام کے لئے ہیں۔ شروع شروع میں اس زمین کی قیمت سات آٹھ سو روپے فی پلاٹ سے زیادہ نہ تھی۔ بڑھتی ہوئی مانگ اور غریب غربا کی اشد ضرورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مذکورہ جابر و غاصب شخص نے اس زمین کے دام بڑھا دیئے اور بیس ہزار روپے فی پلاٹ تک اسے فروخت کر دیا۔ زمین بکتی رہی، ہائی پاور ٹرانسمشن لائن میں سے الیکٹرون کی طاقتور ترین رو گزرتی رہی۔ حکومت نے نہ تو دولت سمیٹنے والے اس شخص کا ہاتھ روکا اور نہ ہی اس خطرناک لائن کو انسانی بستی سے باہر منتقل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

شہر کے اس مقتدر خاندان کے فرد کو تو حصول زر کی ہوس تھی اُسے انسانی زندگی کے اتلاف کے

۔۔۔ کی کر پڑی ہے۔ لہٰذا اُس نے نہ صرف ۔۔۔ کے ردگرد کی زمین بنگے دموں فروخت کردی بلکہ خود تار کے عین نیچے وال زمین بھی ضرورت مند غریبوں اور مزدوروں کے ہاتھوں فروخت کردی جو اپنے چھوٹے چھوٹے گھر بنا کر اوپر سے گزرتے والے خطرے کے عین سائے میں زندگی بسر کرنے لگے۔

محکمہ برقیات کے حکام نے نہ تو اس خوفناک تار کو انسانی بستی سے دور لے جانے کی زحمت گوارہ کی اور نہ ہی لوگوں کی جان اور مال کو تحفظ مہیا کرنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورخہ ۱۱ اگست کو کرم دین کا غریب گھرانہ ایک لاکھ بتیس ہزار وولٹ کی برقی رَو کی زد میں آگیا۔

خواہ موجودہ، خواہ سابقہ ہر حکومت نے واپڈا کو "سفید ہاتھی" قرار دیا ہے۔ گذشتہ ماہ وفاقی وزیر خوراک و زراعت گوجرانوالہ میں آئے تو ہر جگہ شہریوں نے اُن سے واپڈا والوں کی دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کی شکایت کی جس کے جواب میں خواجہ صاحب نے کہا۔ ہاں مجھے علم ہے کہ واپڈا کا ہر اہل کار بددیانت اور راشی ہے خواجہ صاحب مرض کے وجود کی تصدیق تو کر گئے لیکن اس موذی مرض کے علاج کا ابھی تک کوئی حکومتی نسخہ سامنے نہیں آیا۔ کیا عوام یہ سمجھ لینے میں حق بجانب نہیں ہیں کہ پاکستان کی فوجی حکومت واپڈا کے افسروں کے آگے بے بس اور مجبور محض ہے۔

واپڈا میں لائن سپرنٹنڈنٹ، میٹر ریڈر، بل دستری بیوٹر وغیرہ کی ملازمتیں باقاعدہ فروخت ہوتی ہیں۔ اعلیٰ حکام کے کارندے واشگاف الفاظ میں ضرورت مند اور اہلیت رکھنے والے افراد کو کہتے ہیں کہ اگر نوکری چاہیئے تو اتنے ہزار روپے کا بندوبست کر لو۔ ہم تمہیں واپڈا میں ملازم کرا دیتے ہیں۔ تم چند ہی مہینوں میں اپنی خرچ کی ہوئی رقم سے دگنی رقم بھی اکٹھی کر لوگے۔ بجلی کا کنکشن خواہ گھریلو استعمال کے لئے ہو یا ٹیوب ویل اور فیکٹری کے لئے اُس وقت تک حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ مٹھی گرم نہ کر دی جائے ٹیوب ویلوں اور فیکٹریوں کے لئے کنکشن حاصل کرنے کا "نذرانہ" پانچ پانچ دس دس ہزار روپے مقرر ہے۔

بجلی کی چوری کا دھندا تو گوجرانوالہ میں عروج پر ہے ہر ماہ لاکھوں کروڑوں روپوں کی بجلی چوری ہوتی ہے۔ اس چوری کے مال میں میٹر ریڈر سے لے کر چیف انجینئر تک ہر ایک کا حصہ مقرر ہے۔ میٹر کے مطابق اگر چار ہزار روپے کا بل بنتا ہو تو میٹر ریڈر میٹر کو اُلٹا گھما کر اسے ایک ہزار روپے کے بل کی ریڈنگ پر واپس لے آتا ہے۔ فیکٹری کے مالک سے ایک ہزار روپے نقد وصول کر لئے جاتے ہیں۔ اس طرح واجب الوصول رقم میں سے صرف ایک چوتھائی حصہ سرکاری کھاتے میں جاتا ہے۔ جب کہ تین چوتھائی حصہ واپڈا کے اہل کاروں اور سرمایہ دار دولت کا پُجاری ۔۔۔ کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ میٹر ریڈر میٹر کا سیل لگاتے وقت جعلی مہریں اپنے پاس لئے پھرتے ہیں جو ہو بہو اصلی مہروں کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس لئے میٹر کی سیل توڑنا اور ریڈنگ کو واپس لے آنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واپڈا کا محکمہ ایک پرائیویٹ لمیٹڈ فرم بن چکا ہے۔ بددیانت افسروں نے بجلی

بچوں کی موت کے صدمے سے پاگل ماں

جیسے اہم محکمہ کو "لُٹ دا مال" سمجھ رکھا ہے۔ ان کے لئے زرگی یہ بہتی گنگا ہے۔ جس میں ہر کوئی ہاتھ دھو رہا ہے محکمہ کیا ہے۔ خودغرض اور ملک دشمن افراد کے لئے الہ دین کا چراغ بن کر رہ گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ادنیٰ سے اعلیٰ افسروں تک اپنے لئے نجی دولت کے انبار لگا لیتے ہیں۔

واپڈا والوں کو ٹرانسپورٹ کی سہولتیں اور سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لئے انتہائی قیمتی گاڑیاں مہیا کی گئی ہیں۔ یہ نئی نویلی گاڑیاں افسروں کی بیویوں کے لئے شاپنگ کا شوق پورا کرنے کے کام آتی ہیں، وہ ٹھاٹھ سے ان سرکاری گاڑیوں میں بیٹھ کر بازاروں میں خرید و فروخت کرنے آتی ہیں۔ ان گاڑیوں کو سیر و تفریح اور پکنک پارٹیوں کے لاتے اور لے جانے کی غرض سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یہ گاڑیاں افسروں کی عیاشیوں کے سامان فراہم کرنے کے کام آتی ہیں۔ واپڈا میں ملازم کئی افراد اعلیٰ افسروں کے "خاص آدمی" ہیں۔ جن کے خلاف کئی بار رشوت اور بدکرداری کے سنگین مقدمے درج ہو چکے ہیں لیکن ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ ان افراد کی آج بھی پانچوں گھی میں ہیں اور سر کڑاہی میں ہے۔ ان کے اخراجات اور زندگی کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واپڈا کے لگی بندھی ماہوار تنخواہ پانے والے ملازمین نہیں بلکہ کسی ریاست کے مہاراجے ہیں۔ بات بھی درست ہے۔ واپڈا کو انہوں نے اپنی جاگیر اور ریاست ہی سمجھ رکھا ہے۔

واپڈا کے افسروں اور عملے کی بدعنوانیوں، دھاندلیوں عیاشیوں اور لوٹ مار کی تفصیل تو بہت طویل ہے۔ ہمیں تسلیم کر لینا چاہیئے کہ استحصال، جبر اور نجی ملکیت کے تصور پر قائم سماج میں ان برائیوں کا کوئی علاج نہیں ہے کوئی حل نہیں ہے۔ سماجی برائیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہمیں سماج کو بدلنا پڑے گا! استحصال اور جبر پر مبنی سماجی، سیاسی اور معاشی ڈھانچوں کو تبدیل کئے بغیر معاشرتی برائیوں سے پاک معاشرہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔

محکمہ بجلی کے افسروں کی لاپرواہی، سنگدلی اور غفلتِ مجرمانہ ملاحظہ فرمایئے۔ سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ غریب اور مزدور گھرانے کے نو افراد کو اچانک ایک لاکھ بتیس ہزار وولٹ کی برقی رَو نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان کی دردناک چیخ پکار سے اہالیانِ محلہ جمع ہو گئے۔ سب کے سب افرادِ خانہ جُھلس گئے۔ اُن کے سُلگتے ہوئے جسموں اور جلتے ہوئے گوشت کی بُو سارے محلے میں پھیل گئی۔ مصیبت میں مبتلا افراد تڑپ رہے تھے۔ مدد کے لئے پکار رہے تھے خصوصی تربیت مہارت اور ساز و سامان کے بغیر ان کی مدد کے لئے آگے بڑھنا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ لوگوں نے جلد از جلد واپڈا والوں سے رابطہ پیدا کرنے کی بار بار کوشش کی۔ لیکن وہاں کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر لوگوں نے خود ہی اپنی جان کی بازی لگا کر بجلی کی رَو کو کسی نہ کسی طرح گھر سے الگ کیا۔ گھر کے نو کے نو افراد بُری طرح جُھلس چکے تھے اور زخموں کی وجہ سے تڑپ رہے تھے۔ محلہ داروں نے واپڈا والوں سے ایک بار پھر رابطہ پیدا کیا کہ خدا کے لئے ان زخمیوں کو ہسپتال تک پہنچانے کے لئے ہماری مدد کرو۔ لیکن اُدھر تو سانپ ہی سونگھ گیا تھا۔ آخر لوگوں نے زخمیوں کو تانگوں میں ڈال کر ہسپتال پہنچایا۔ سول

ہسپتال کے ایم۔ ایس نے خود اپنی براہِ راست نگرانی میں اپنے عملے کے ہمراہ زخمیوں کی جان بچانے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن زخمیوں کے جسموں کے اہم ترین اعضاً جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ اس لئے ڈاکٹروں کی کوشش اور ضروری طبی امداد کے باوجود چھ بچے ایک ایک کر کے موت کے تاریک اندھے غار میں اترتے چلے گئے۔ باقی کے تین افراد کی حالت بھی نازک ہے۔

مقامی انتظامیہ کو اطلاع ملی تو تمام ذمہ دار افسر موقع پر پہنچ گئے اور زخمیوں کی جان بچانے کے لئے بھاگ دوڑ ہوتی رہی۔ لیکن واپڈا والے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ افسران تو ایک طرف اُن کی طرف سے کوئی ادنیٰ ملازم تک بھی نہیں آیا۔ واپڈا کے مختلف شعبے اس سانحہ کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال رہے ہیں۔ ہر کوئی اپنے آپ کو معصوم بنا کر پیش کر رہا ہے۔ واپڈا کی بے حسی، سنگدلی، لاپرواہی اور غفلتِ مجرمانہ کی وجہ سے چھ قیمتی انسانی جانیں تلف ہو چکی ہیں۔ شہر بھر میں غم و غصے کا اظہار کیا جا رہا ہے

کرم دین مزدور کے حرماں نصیب گھرانے کی مالی حالت اتنی قابلِ رحم ہے کہ اس کے صحن میں اس کے چھ معصوم بچوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ زخموں سے نڈھال کرم دین اور اس کی بیوی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف تک رہے تھے۔ ان میتوں اور اپنے جگر کے ٹکڑوں کی تجہیز و تکفین تک کے لئے ان کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا۔ آخر نیک دل محلے داروں نے پیسے جمع کر کے کرم دین کے بچوں کو سپرد خاک کیا۔

گوجرانوالہ کے عوام کا مطالبہ ہے کہ واپڈا اور زمین فروخت کرنے والوں کے خلاف غفلتِ مجرمانہ کا مقدمہ درج کر کے اس سانحہ کی تحقیقات کرائی جائیں اور اس سنگین لاپرواہی کے مرتکب افراد کو عبرتناک سزا دی جائے۔ نیز صدموں سے نڈھال مزدور گھرانے کو حکومت کی طرف سے چھ لاکھ روپے بطور ہرجانہ ادا کیا جائے۔

❀❀

صدر این ایس ایف حبیب اللہ شاکر خانیوال اسٹیشن پر کارکنوں کے ساتھ

قید و بند کی صعوبتیں

ہمارا راستہ نہیں روک سکتیں، شاکر

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کے مرکزی صدر حبیب اللہ شاکر کو یکم اگست کو ساہیوال جیل سے رہا کر دیا گیا۔ انہیں ۲۲ مارچ کو ایس ای کالج بہاولپور میں قابلِ اعتراض تقریر کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ان کا مقدمہ سمری ملٹری کورٹ بہاولپور میں پیش کیا گیا۔ یہاں سے انہیں چھ ماہ قید اور آٹھ کوڑوں کی سزا دی گئی۔ بعد میں لاہور ہائی کورٹ نے کوڑوں کی سزا معاف کر دی۔ حبیب اللہ شاکر نے رہائی کے بعد لاہور ریجن کا دورہ کیا

دورہ مکمل کرنے کے بعد ان کی ملتان واپسی پر این ایس ایف خانیوال کے کارکنوں کی ایک بھاری تعداد نے خانیوال اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا۔

اس موقع پر انہوں نے طلباء سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ قید و بند کی صعوبتیں ہمارا راستہ نہیں روک سکتیں، انہوں نے کہا کہ این ایس ایف کی تاریخ جدوجہد کی تاریخ ہے، جس نے ہر دور میں حق و صداقت کی آواز بلند کی، جس کی پاداش میں اس کے کارکنوں کو جیل جانا پڑتا رہا ہے۔ انہوں نے کارکنوں کو تلقین کی کہ وقت کے تقاضے کے تحت ہمیں مزید متحد و منظم ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ ہم مظلوم طبقات کے اس سیاہ رات سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں صحیح معاون ثابت ہو سکیں۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ دور میں مسائل کی پیچیدگی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے ہر طبقے میں بے چینی کی لہر پائی جاتی ہے اور حکومت اس بے چینی کو قید و بند اور کوڑوں جیسی وحشیانہ سزاؤں سے ختم کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ جتنا تشدد میں اضافہ ہوتا ہے اتنی ہی جدوجہد بڑھتی ہے۔

انہوں نے آزادیٔ صحافت کے لئے پی ایف یو جے اور ایپنک کی چلائی جانے والی تحریک کو ایک جمہوری تحریک قرار دیتے ہوئے کہا کہ آزادیٔ صحافت تمام مظلوم طبقات کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ این ایس ایف پاکستان کا اس تحریک میں صحافیوں کے شانہ بشانہ جدوجہد کرنا اس کے پروگرام کا حصہ ہے انہوں نے مطالبہ کیا کہ تمام گرفتار شدہ صحافیوں، طالب علموں مزدوروں اور کسانوں کو رہا کیا جائے۔ پی ایف یو جے اور ایپنک کے آٹھ نکاتی مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ مہنگائی ختم کی جائے۔ طلباء کے مسائل حل کئے جائیں۔ مزدوروں اور کسانوں کی چھانٹیاں اور برطرفیاں بند کی جائیں آخر میں انہوں نے سندھ میں ترقی پسند طلباء کی عظیم الشان فتح پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ باشعور طلباء پر جماعت اسلامی کی بغل بچہ تنظیم کے عزائم واضح ہو چکے ہیں اب طلباء کبھی بھی ماضی کی غلطیوں کو دہرانا پسند نہیں کریں گے انہوں نے کہا کہ اگر پنجاب میں الیکشن ملتوی نہ کروائے جاتے تو نتائج اس کے بالکل مختلف نہ ہوتے۔ انہوں نے صالحین کی شکست کے بعد غنڈہ گردی کرنے کی مذمت کی اور کہا کہ یہ ان کی بوکھلاہٹ کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر جماعتیوں نے اپنی غنڈہ گردی بند نہ کی تو طلباء بھی ان کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں۔

شجاع آباد

اتنا تشدد کیا گیا کہ منظور احمد ہلاک ہو گیا

جوزف کاشانی

قتل کے ملزم پولیس کی گاڑی میں فرار ہو گئے

۱۰ اگست کی ایک رات کو منظور احمد کی بیوی رضیہ کو سوتے ہوئے ذبح کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بستی خیر پور شجاع آباد شہر کے قریب واقع ہے۔ اس بستی میں قوم بھٹ کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ یہ پوری قوم $\frac{9}{10}$ ماہ کراچی میں بوجہ روزگار رہتی ہے اور دو تین ماہ اپنی اس بستی میں آرام کرتے ہیں۔ رضیہ مائی کا تعلق قوم بھٹ سے تھا۔ منظور احمد نامی شخص نے حال ہی میں اپنی پسند کی شادی رضیہ سے کی تھی۔ منظور احمد نے رضیہ کے پہلے خاوند سے طلاق کے حصول کے لئے دس ہزار روپے خرچ کئے تھے مزید چھ ہزار کے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ رضیہ جب اس کے گھر آئی تو منظور احمد نے اس کی ناز برداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ۵۰ ہزار روپے کی خطیر رقم سے دیہات میں کوٹھی بنوائی۔ شجاع آباد پولیس کا کہنا تھا کہ رضیہ کے سگے بھائیوں طالب اور مالک نے اپنی سگی بہن کو قتل کیا ہے۔ اور رضیہ کا خاوند منظور احمد بھی اس قتل میں برابر کا شریک ہے۔ جب کہ منظور احمد کا کہنا تھا کہ دو نامعلوم افراد نے رضیہ کو قتل کیا ہے۔ شجاع آباد پولیس کے انچارج نے منظور احمد کی اطلاع پر مقدمہ درج کر لیا مگر اصل قاتلوں کو گرفتار کرنے کی بجائے ۱۱ اگست کو منظور احمد اور مقتولہ کے دونوں بھائیوں طالب اور مالک کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ پانچ روز ان تینوں پر انتہائی تشدد کیا گیا جس کے نتیجہ میں ۱۵ اگست کو منظور احمد مر گیا۔ جب کہ طالب اور مالک بری طرح مجروح ہو گئے۔ ۱۵ اگست کو منظور احمد کے رشتہ داروں کو تھانے میں داخل ہونے اور منظور احمد کو روٹی وغیرہ دینے سے روک دیا گیا۔ کیوں کہ اصل ملزمان مقامی پولیس تک "رسائی" حاصل کر چکے تھے۔ ۴ بجے شام تھانے کے پھاٹک اور دروازے دونوں بند کر دیئے گئے اور بہانہ یہ کیا گیا کہ تھانے کے اندر مارشل لاء ٹیم معائنہ کر رہی ہے۔ اس عرصہ میں شہر میں یہ اطلاع آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ منظور احمد پولیس تشدد کے نتیجے میں ہلاک ہو گیا ہے اور پولیس اس کی نعش کو تھانے سے غائب کرنا چاہتی ہے۔ اس پر سینکڑوں کی تعداد میں شہری جمع ہو گئے اور انہوں نے تھانے کا گھیراؤ کر لیا۔

اسسٹنٹ کمشنر شجاع آباد کو جب اس صورتحال کی اطلاع ملی تو وہ تھانے پہنچے۔ عوام نہایت مشتعل ہو گئے ڈپٹی کمشنر ملتان کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی اور ان کی ہدایت پر عوام کو یقین دلایا گیا کہ پولیس افسروں کے خلاف مقدمہ قتل درج کیا جا رہا ہے۔ دریں اثنا ایس ایس پی ملتان نے ایڈیشنل ایس ایس پی مسٹر محمد اکرم کو بھی موقع پر بھیج دیا گیا۔ رات بھر اسسٹنٹ کمشنر عوام کے نمائندوں اور صحافیوں سے بات چیت بھی کرتے رہے۔ پولیس تشدد کے خلاف شہریوں کے حقوق کی ترجمانی کرنے والوں میں پاکستان پیپلز پارٹی کے مقامی رہنما کنور احسان اللہ خان ایڈووکیٹ، رانا شوکت حیات نون نمایاں تھے جبکہ عاکف الوری امروز ملتان، گلزار حمید نوائے وقت اور قمر انصاری مشرق لاہور بھی موجود تھے۔ مقامی انتظامیہ کا اصرار تھا کہ دفعہ ۳۰۴ کے تحت مقدمہ درج کیا جائے کیوں کہ پولیس افسران کی نیت عملاً قتل کی نہیں تھی جب کہ کنور احسان اللہ خان ایڈووکیٹ کا موقف تھا کہ مقتول پر پانچ روز سے تشدد قتل کی نیت سے روا رکھا جا رہا تھا۔ عوام کے بے پناہ دباؤ کی وجہ سے پولیس انسپکٹر شجاع آباد اور دو سپاہیوں کے خلاف دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ درج کیا گیا۔ جس وقت پرچہ درج کیا گیا اس وقت ایس ایچ او، ایڈیشنل ایس ایس پی اور اسسٹنٹ کمشنر موجود تھے۔ اس کے باوجود سب انسپکٹر چوہدری مقصود احمد، خورشید اور منظور گرفتار نہیں ہو سکے۔ بتایا گیا ہے کہ ملزم فرار ہو گئے ہیں۔ یہ بات ابھی تک معمہ بنی ہوئی ہے کہ تینوں ملزم پولیس ملازمین کو پولیس کی تحویل ہی میں ملتان پولیس لائن بھیجا گیا۔ انہوں نے شجاع آباد سے ملتان تک کا سفر بھی پولیس وین ہی میں کیا۔ انہیں خود پولیس افسر ہی اپنی تحویل میں لے کر ملتان پہنچے اس کے باوجود ملتان پہنچ کر مقدمہ قتل کے ملزم کس طرح گرفتار ہونے سے بچ گئے اور فرار ہو گئے۔

۱۶ اگست کو جب کہ شجاع آباد کے شہری مقامی پولیس کی یہ کوشش ناکام بنانے میں مصروف تھے کہ کہیں مقتول کی لاش کو غائب نہ کر دیا جائے، شہریوں نے رات بھر اور دوپہر تک تھانے کا گھیراؤ کیا۔ آنسو گیس کے شیل برداشت کئے، زبردستی لاٹھی چارج کا سامنا کیا عین اسی وقت انتظامیہ کے کاسہ لیس حرکت میں آ گئے۔ رجعت پسند سیاست کے سرخیل صدر الدین شاہ نے اخباری نمائندوں کو بیان دیا کہ اس ہنگامہ میں مقامی پیپلز پارٹی کا ہاتھ ہے اور ملزمان کو فرار ہونے میں ان کے سیاسی رقیب رانا شوکت حیات نون نے امداد کی ہے۔ ایسا کر کے شاہ صاحب نے عوام کی توجہ اصل مسئلہ سے ہٹانے کی ناکام کوشش کی۔ پیپلز پارٹی کی مقامی قیادت اور دیگر سیاسی رہنماؤں نے اس غیر ذمہ دارانہ بیان کا فوری نوٹس لیا اور تمام امن پسند شہریوں اور سیاسی رہنماؤں سے اپیل کی وہ کسی غریب شخص کی لاش پر سیاسی دکان داری چمکانے کی بجائے انصاف کے حصول کے لئے متحد ہو کر کوشش کریں۔ عوام کے ایک بڑے ہجوم نے محلاتی سیاست کے ٹھیکیداروں اور انتظامیہ کے کاسہ لیسوں کے خلاف جلوس نکالا اور مخالفانہ نعرے لگائے۔ ۱۷ اگست کو پولیس تشدد کے خلاف عام ہڑتال کی گئی۔ بسیں بھی بند رہیں۔ عوام کے ایک بڑے جلوس نے ایڈیشنل ایس پی اور اے سی شجاع آباد کے رویہ کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا۔ شہر کی صورت حال آنسو گیس کے استعمال اور لاٹھی چارج کی وجہ سے انتہائی کشیدہ ہو چکی تھی۔ اسی اثنا میں ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ملتان زون میجر جنرل اعجاز عظیم کی ہدایت پر ڈپٹی کمشنر ملتان اور دوسرے اعلیٰ حکام شجاع آباد پہنچے۔ ڈپٹی کمشنر ملتان مہر جیون نے عوام سے خطاب کے دوران کہا کہ اس واقعہ کی تحقیقات مقامی ریذیڈنٹ مجسٹریٹ شیخ سراج دین اور ایک میجر کی نگرانی میں کی جائے گی جبکہ مقتول منظور احمد کی لاش کا پوسٹ مارٹم نشتر ہسپتال ملتان کا ایک ڈاکٹر اور ایک ملٹری کا ڈاکٹر کرے گا۔ کیوں کہ شجاع آباد سول ہسپتال کے ڈاکٹر نے انتظامیہ کے مقامی حکام کے دباؤ کی وجہ سے لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ادھر شجاع آباد کے عوام نے پولیس تشدد کیس کے

ملزم پولیس ملازمین کی گرفتاری تک مجسٹریل تحقیقات کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔ عوام کے ہجوم کی مزاحمت کے سبب ۱۷ اگست کو سب ریذیڈنٹ مجسٹریٹ اور میجر کیانی پر مشتمل تحقیقاتی جماعت منظور احمد کے اسباب کی تحقیقات کے سلسلہ میں شہادتیں قلم بند نہ کر سکی اور کارروائی ۲۰ اگست تک ملتوی کر دی گئی۔ شجاع آباد میں تادم تحریر پولیس تشدد کے خلاف مظاہرے جاری ہیں۔ پولیس کی بھاری کمک شجاع آباد پہنچ گئی ہے۔ شجاع آباد بار ایسوسی ایشن نے ایک ہنگامی اجلاس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک اسسٹنٹ کمشنر شجاع آباد کو تبدیل نہیں کیا جاتا وکلاء عدالتوں کا بائیکاٹ کریں گے۔ اس سلسلے میں وکلاء کے ایک وفد نے کمشنر ملتان سے ملاقات کر کے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کر دیا ہے۔

مقامی وکلاء نے پولیس تشدد کے خلاف امداد دینے کے لئے ایک کمیٹی قائم کر دی ہے جو بار کے صدر ملک احمد یار درویش ایڈووکیٹ، جنرل سیکرٹری چوہدری محمد اسماعیل، کنور شبیر احمد خان ایڈووکیٹ اور ملک عبدالرحمٰن ایڈووکیٹ پر مشتمل ہے

پاکستان پیپلز پارٹی کے مقامی راہنماؤں کنور احسان اللہ خان ایڈووکیٹ، چوہدری بدرالدین ایڈووکیٹ، محمد اسلم نون حشمت اللہ خان ایڈووکیٹ، تحریک استقلال کے صدر چوہدری عبدالرزاق ایڈووکیٹ، جمعیت علماء پاکستان کے رہنما مولانا خدا بخش اظہر، محمد اقبال اظہری، مولانا سلطان احمد این ڈی پی کے جنرل سیکرٹری سالم علی، ملتان سے قومی اسمبلی کے سابق رکن شیخ خضر حیات، پاکستان پیپلز پارٹی ضلع ملتان کے صدر ملک الطاف علی کھوکھر، جنرل سیکرٹری نذر سجاد قریشی ایڈووکیٹ، طالب علم رہنما فاروق تسنیم نے علیحدہ علیحدہ بیانات میں شجاع آباد کے عوام پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس کے استعمال کو بے رحمانہ اور انسانیت سوز قدم قرار دیا ہے۔ بیانات میں کہا گیا ہے کہ عوام ایسے درندہ صفت اقدامات کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

****

پنجاب روڈ ٹرانسپورٹ بورڈ فیڈریشن

مہنگائی اور چھانٹیاں

محنت کشوں کے لئے عذاب بن گئی ہیں

عبدالغفار خان کو مبارکباد

جدوجہد جاری رکھنے کا عہد

پنجاب روڈ ٹرانسپورٹ بورڈ لیبر فیڈریشن سے ملحق جھنگ ملتان سرگودھا فیصل آباد گجرات سیالکوٹ ڈیرہ غازی خان لاہور کی سی بی اے و نمائندہ یونینوں کے اجلاس میں تنظیم نو کی گئی۔ تنظیم نو کے مطابق عہدیدار حسب ذیل ہیں :۔

چیئرمین : عبدالحمید لاہور، صدر منظور حسین، صدر یونائیٹڈ لیبر یونین جی ٹی ایس ملتان و صدر پنجاب محنت کش محاذ ملتان، سینئر نائب صدر : محمد عاشق لاہور، جونیئر نائب صدر : عبدالحمید ملک جھنگ صدر سی بی اے یونین جنرل سکریٹری : محمد اسلم چیمہ (فیصل آباد) جائنٹ سکریٹری، صفدر حسین جھنگ، سکریٹری اطلاعات، شیخ محمد رمضان ملتان، سکندر علی شاہ سرگودھا، شفقت محمود فیصل آباد، خزانچی : عاشق حسین شاہ فیصل آباد، آفس سکریٹری، عبدالرزاق فیصل آباد، چیف آرگنائزر : ولی محمد۔

انتخابات کے بعد اجلاس ہوا جس کی صدارت اس مجلس کے صدر منتخب جنرل سیکرٹری محمد اسلم چیمہ نے کی اجلاس میں ملک کی موجودہ صورتِ حال کو محنت کشوں اور غریب عوام کے لئے انتہائی سنگین اور مسائل سے لبریز قرار دیا گیا۔ اجلاس میں مقررین نے کہا کہ نوکرشاہانہ انداز سے حسب سابق محنت کش عوام پر روزی کے دروازے بند کیے جا رہے ہیں۔ سرکاری صنعتی ادارے چند نوکرشاہی کے افسروں کے لئے لوٹ کھسوٹ کے اڈے ہیں۔ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کو ... کا غذ کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی یہ مسئلہ جوں کا توں ہے۔ مگر کوئی بھی پُرسانِ حال نہیں۔ آج بھی محنت کش صنعتی مزدور ہو، یا اساتذۂ قلم کے مزدور صحافی ہوں یا پریس کے دیگر کارکن ان پر ہر جگہ ہر شہر ہر صوبہ میں تشدد ہو رہا ہے۔ اردو ٹریڈ یونین کا رکن صحافی ... کے حامی جیلوں میں بند ہیں۔ انہیں کوڑوں کی سزائیں دی گئی ہیں۔ مہنگائی نے قوت خرید میں کمی کر دی ہے۔ ملک غیر ملکی سازشوں کا اکھاڑہ بن چکا ہے۔ عفت و عصمت ... بک رہی ہیں۔ غنڈے آزاد اور شریف سر چھپاتے پھرتے ہیں۔ لاکھوں لوگ وطن چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ لاکھوں پہاڑوں کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کیے جا رہے ہیں۔ مقررین نے کہا کہ مارشل لاء حکام سول نوکرشاہی کی "سب اچھا" کی راگنی پر عمل کرتے رہے تو اس کا نقصان پورے ملک کے عوام کو ہوگا۔

اجلاس میں کہا گیا کہ ملک میں سب کچھ اچھا ہونے کی ضرورت ہے اور یہ کام عوام کے منتخب نمائندے کرنے کے پابند ہو سکتے ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب سامراج سے آزاد پاکستان بنانے کے لئے غیر جانبدارانہ خارجہ پالیسی اپنائی جائے اور خود انحصاری کے تحت معیشت استوار کی جائے۔ صوبوں کو برابر کے حقوق کا عملاً نمونہ بنایا جائے اور یہ کام محنت کش اور دیگر محب وطن ترقی پسند قوم پرستوں کی ایک متحدہ قوت ہی کر سکتی ہے۔

مقررین نے کہا کہ ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر ملک گیر اتحاد کی ضرورت ہے اور یہ اتحاد بنیادی طور پر آج کی صورتِ حال میں تحفظِ روزگار، حقِ روزگار اور جمہوری سول حکومت کے قیام کے نکات سے شروع ہو چکا ہے جس کی ایک شکل ورکرز رابطہ کمیٹی پاکستان ہے

اجلاس میں درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

۱۔ پیپلز لیبر فرنٹ و جوائنٹ لیبر ایکشن کمیٹی راولپنڈی کے رہنما لقمان مرزا سمیت تمام اسیران راولپنڈی کی قید و کوڑوں کی سزا منسوخ کی جائے اور انہیں رہا کیا جائے۔

۲۔ متحدہ مزدور مجلس عمل لاہور کے جناب طارق رحمٰن بشیر ظفر اور ان کے دیگر ساتھیوں کو رہا کیا جائے پاکستان ورکرز رابطہ کمیٹی کے راہنما اور پنجاب مزدور رابطہ کمیٹی کے صدر ضیاء الدین بٹ کے وارنٹ گرفتاری

والپس لئے جائیں۔

۳ - اجلاس اسیران حیدرآباد جناب شمیم واسطی سمیت تمام باری طلبہ مزدور کسان رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے۔

۴ - پینک اور پی ایف یو جے کے ۸ نکاتی مطالبات تسلیم کئے جائیں اور حکومت پریس کارکنوں اور صحافیوں کی اصل قیادت سے مذاکرات کرے جو جناب منہاج برنا، نثار عثمانی اور ان کے ساتھی ہی ہو سکتے ہیں۔

۵ - اجلاس گورنمنٹ ٹرانسپورٹ پنجاب کے تمام ڈپوؤں اور دیگر اداروں میں چھانٹیوں کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

۶ - اجلاس پاک امریکن کھاد فیکٹری اسکندرآباد ضلع میانوالی ایمپلائیز یونین کے مطالبات کی حمایت کرتا ہے اور جنرل منیجر کی فی الفور برطرفی کا مطالبہ کرتا ہے اور پولیس و ضلعی حکام کی مزدوروں کو ہراساں کرنے کی کارروائی کی مذمت کرتا ہے۔

۷ - اجلاس واہ آرڈی ننس فیکٹری ورکس مین ایسوسی ایشن کے انتخابات میں جناب عبدالغفار خان اور ان کے ساتھیوں کو کامیاب ہونے پر مبارک باد دیتا ہے اور مزدوروں کے اس فیصلہ کو ان کی بصیرت و جرأت کا مظہر قرار دیتا ہے۔

۸ - اجلاس تحریک آزادی صحافت کے اسیر قائدین کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے اور اس تحریک کے جیالے قائدین کی جرأت کو سلام کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ ان کی تحریک میں جی ٹی ایس ورکرز ان کے ساتھ ہیں اور ان کی فہرستیں موجود ہیں اور ان کے ساتھی ان کی مجلس عمل کے حکم کے منتظر ہیں۔

۹ - اجلاس پنجاب کے ترقی پسند طالب علم رہنماؤں کے خلاف وارنٹ گرفتاری کی مذمت کرتا ہے اور ترقی پسند طلبہ کو متحد ہو کر محنت کش عوام کی جدوجہد کا ساتھ دینے کی گذارش کرتے ہوئے انہیں اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتا ہے۔

❀❀❀❀

میانوالی

روشنئ ملک

وہ غریب دشمنی میں ملک کے مفاد کو قربان کر رہے ہیں

دھیان طلب یہ بھی ہو رہا ہے

چودہ سالہ لڑکا تھانے میں ....

ضلع میانوالی کے تھانہ کلورکوٹ کا ایک چودہ سالہ لڑکا عبدالغفار گھی کی بلیک کی شکایت لے کر محرر تھانہ کلورکوٹ کے پاس گیا اور شکایت کرنے لگا تو تھانہ محرر نے لڑکے کو حوالات میں بند کر دیا یعنی صرف ایک رات کے لئے بند کر دیا۔ رات کو اس پر تشدد اور انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ مذکورہ لڑکا اپنے اوپر تشدد اور غیر انسانی سلوک کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ دوسرے روز صبح جب شہر کے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بڑی مشکل سے تھانہ جا کر محرر سے لڑکا رہا کروایا ورنہ تھانہ محرر اس بے ہوش لڑکے کو دوسرے روز بھی اپنی ہوس کا نشانہ بناتا۔

غریب لڑکا ایک مزدور ریڑھی بان کا لڑکا ہے جو کہ اب موت و زندگی کی کشمکش میں ہے۔ کلورکوٹ کے علاقہ میں عوام میں سخت غم و غصہ ہے اور لوگوں کو احتجاج سے باز رکھنے کے لئے جھوٹے مقدمات درج کرنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔

جب سے پاکستان بنا ہے ہر شخص یہی خواہش کرتا ہے کہ لوٹ کھسوٹ کے یہ فی سبیل اللہ مین ہول کب ختم ہوں گے۔ پاکستان کے مظلوم عوام ان مین ہولوں کو تیس سال سے مسلسل بھر رہے ہیں مگر یہ ہول ہیں کہ بھرنے کو نہیں آتے آئے دن یہ زیادہ سے زیادہ منہ پھاڑ کر عوام کو ڈراتے ہیں اور ان کے بچوں کو ہڑپ کرتے ہیں۔

ضلع میانوالی میں بھی دوسرے اضلاع کی طرح ہی "سرخے مکاؤ" فہرستیں تیار کی گئی ہیں۔ سی آئی ڈی ضلعی پولیس اور جماعت اسلامی ضلع میانوالی نے الگ الگ فہرستیں تیار کر کے اپنے پاس بھی رکھی ہوئی ہیں اور متعلقہ اداروں کو بھی بھیج دی ہیں قبل ازیں جماعت اسلامی پاکستان کے سیکریٹری جنرل چوہدری رحمت الٰہی نے تمام اضلاع کے امیروں کو فہرستیں مرتب کرنے کی ہدایت کی تھی۔ ان فہرستوں میں پیپلز پارٹی سے زیادہ بائیں بازو کے لوگوں کے نام درج ہیں۔

میانوالی کے علاقہ مظفر پور شمالی میں جو کسان تحریک کا علاقہ ہے، کسانوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے جاگیرداروں نے بیدخلیاں کرنی شروع کر رکھی ہے میانوالی کے علاقہ چکڑالہ میں کئی پشتوں سے موروثی مزارعین کو بے دخل کیا جا چکا ہے۔ کسانوں میں خوف و ہراس پھیلا کر جاگیردار اپنے مذموم عزائم کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔

پیپلز کسان کمیٹی پنجاب کے سکریٹری جنرل سلطان ملک کو ضلع سرگودھا میں ایک جاگیردار ذوالفقار کلیار کے کہنے پر تھانہ صدر پولیس سرگودھا نے اس وقت گرفتار کر لیا جب کہ وہ ایک گھر میں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور رمضان المبارک سے قبل روزوں کے لئے دودھ لسی کے لئے بھینس خریدنے گئے ہوئے تھے۔ مبینہ طور پر ذوالفقار کلیار نے اپنے پاس سے ناجائز اسلحہ پولیس کو دے کر سلطان ملک کے ذمہ لگوایا اور ان پر جھوٹا اور بے بنیاد مقدمہ بنوایا ہے۔ سلطان ملک نے اس جاگیردار ذوالفقار کلیار پر الزام لگایا کہ وہ پولیس کا ٹاوٹ ہے، رسہ گیری کرتا ہے۔ اور عام لوگوں سے "لوٹ" کر افسروں کو رشوت دیتا ہے اور اپنا حصہ بھی رکھ لیتا ہے۔

سلطان ملک نے گذشتہ روز ضمانت پر رہائی کے بعد بتایا کہ پولیس نے ان پر تھانہ حوالات میں انتہائی تشدد کیا اور ان کے بھتیجے محمد اسلم کی مونچھوں کو انتہائی بے دردی سے نوچ کر علاقہ کی بہادری اور غیرت کو للکارا گیا۔ سلطان ملک کو حوالات تھانہ میں برہنہ کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

پنجاب کے ہزاروں افراد ہر سال عقاب کے شکار کیلئے گھروں سے باہر جنگلوں، ویرانوں اور ویران علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔ عقاب پکڑنے کا کاروبار ہزاروں بیروزگار لوگ

کرتے ہیں۔ عقاب پرندہ ہر سال سردیوں کے آغاز پر افغانستان اور روس سے پاکستان آتا ہے اور پاکستان کے غریب لوگ اسے پکڑ کر عرب شاہوں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں اور پاکستان کے لئے ہر سال لاکھوں نہیں اربوں روپے کا زرمبادلہ کماتے ہیں مگر پنجاب کی نوکرشاہی اور شکار کے افسر غریب لوگوں کو نہ عقاب پکڑنے دیتے ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں لائسنس جاری کیا جاتا ہے۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ عقاب پرندہ دس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک فروخت ہوتا ہے اور پھر اس سے کم درجہ کا پرندہ دس ہزار تک بھی عرب شاہ لے جاتے ہیں۔ عرب شاہوں کے ساتھ ساتھ وہاں کے سرمایہ دار اور چھوٹے چھوٹے جاگیردار بھی یہاں سے پرندے لینے آتے ہیں۔ اس نافع بخش کاروبار کرنے کی اجازت بہر حال نہیں ہے۔ اگر کوئی غریب چوری چھپے عقاب پکڑ بھی لے تو اس سے راستہ میں چھین لیا جاتا ہے اور اگر وہ خوش قسمتی سے فروخت بھی کر لے تو اس سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ اگر وہ حصہ نہ دے تو اس پر کئی قسم کے جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں۔

انجمن شکاریانِ عقاب پنجاب کے صدر اللہ بخش عرف تاج سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ حکومت پنجاب غریب لوگوں سے دشمنی میں اس قدر آگے ہے کہ اسے ملک کا مفاد بھی یاد نہیں۔ عقاب کے شکار سے جو زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے وہ یقیناً ملک کی ترقی میں اپنا ایک کردار ادا کرے گا۔ اس لئے اگر عربوں کو پاکستان سے یہ پرندہ نہیں ملے گا تو وہ ہندوستان سے خریدیں گے یا پھر افغانستان سے خریدیں گے۔

انہوں نے حکومت پنجاب سے اپیل کی ہے کہ عقاب پکڑنے کے لائسنس جاری کئے جائیں تاکہ بغیر لائسنس کے [illegible] اور شکار کے آفیسر ہر سال جو لاکھوں روپے کا [illegible] بنا رہے ہیں، سینکڑوں ایکڑ اراضیات [illegible] چکے [illegible] ہیں وہ بند ہو سکے اور عقاب کے شکار سے ملنے والی دولت ملک کے کام آ سکے۔

●●●

هلال پاشا

پاکستانی ترقی پسند صرف عوام کے ایجنٹ ہیں

حال ہی میں رجعت پرستوں کے بھونڈے نمائندے ظہور الٰہی نے پاکستان کے محنت کشوں کے نمائندوں صحافیوں اور بالعموم تمام ترقی پسندوں کے خلاف نفرت کا زہر اگلا ہے۔ دائیں بازو کا تمام پریس اس بات پر زور لگا رہا ہے کہ پاکستان کے ترقی پسند غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹ ہیں اور افغان انقلاب کے بعد ان کی ہرزہ سرائی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ پاکستان میں رجعت پرست کبھی جام ساقی کو بھارت کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں اور کبھی روس کا۔ معراج محمد خان کو چین کا ایجنٹ کہتے ہوئے ان کی زبانیں نہیں تھکتیں مگر اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود حکمران طبقے اور ان کے کوڑھ مغز ساتھی کسی ایک ترقی پسند رہنما کو آج تک کسی غیر ملکی طاقت کا ایجنٹ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ آج نوکرشاہی یہ کوشش کر رہی ہے کہ خاص طور پر سرحد اور بلوچستان کے ترقی پسند رہنماؤں کو افغانستان کا ایجنٹ ثابت کیا جا سکے۔ یہ ضرور ہے کہ پاکستان کے عوام اور ان کے ترقی پسند نمائندے افغانستان اور افغان انقلاب سے ہمدردی اور اس کی مکمل حمایت کرتے ہیں مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ یہ ترقی پسند رہنما افغانستان کے ایجنٹ ہیں۔

اس کے برعکس پاکستان کے دائیں بازو کے بڑے بڑے رہنما کسی نہ کسی طور سی آئی اے اور اس کی ذیلی تنظیموں سے منسلک رہنے سے انکار نہیں کر سکتے۔

اے کے بروہی کے سی آئی اے کی ذیلی تنظیموں سے تعلقات اب طشت از بام ہو چکے ہیں۔ بیگم نون کی سی آئی اے سے یاد اللہ پرانی ہے۔ وزیر داخلہ محمود ہارون اور ان کے خاندان کی امریکہ سے ہمدردیاں چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ جماعت اسلامی نے اپنے بے تحاشہ فنڈ کی آمد کے ذرائع کی کبھی وضاحت نہیں کی۔ اور اس بات کی تردید کی کہ تمام مال سی آئی اے فراہم کرتی ہے۔

زیادہ دور کیوں جائیے بھٹو کی قانونی اور آئینی حکومت کے خلاف تحریک چلانے اور اس کا تختہ الٹنے کی سازش کس نے تیار کی تھی۔ کیا قومی اتحاد کی نام نہاد تحریک سی آئی اے کے اس ماڈل پلان کی نقل نہیں تھی کہ جس کے ذریعے سی آئی اے نے چلی میں ایلنڈے سرکار کا تختہ فوج اور رجعت پرستوں کی مدد سے الٹا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے ترقی پسند اس ملک کے غریب عوام کی بھلائی کے لئے ایک پروگرام رکھتے تھے جب کہ رجعت پرستوں کے پاس صرف غریبوں کو لوٹنے کا پروگرام ہے۔ لوٹ کھسوٹ کی سرکار کو برقرار رکھنے کے لئے یہ عوام کے حب الوطنی کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور جب تک ہیں کرتے رہیں گے

اندرونی معاملات میں ناکامی کے بعد بیرونی تعلقات کے میدان میں موجودہ حکمرانوں کی نااہلی بھی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ سعودی عرب، لیبیا اور ایران کے ساتھ "مذاکرات" ناکام ہی تو ہوئے اور تو اور امریکہ نے بھی نئی امداد روکنے کا اعلان کیا ہے۔ یعنی امریکہ نے معاشی امداد روک کر فوجی امداد جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ پاکستان کے عوام اس فوجی امداد کا مقصد خوب سمجھتے ہیں۔ عالمی بنک کی امداد کے سلسلے میں بھی بڑی تفصیلے سے [illegible] ہے۔

اب ملک کو صرف ایک [illegible] ہو رہی ہے وہ یہ کہ جو پاکستان کے مزدور غیر ملکوں میں خون پسینہ ایک کر کے کما کر پاکستان بھیجتے تھے۔ لیکن اب سرکار [illegible] کی اس امداد کو دوبارہ ملک سے باہر استعمال کر رہی ہے تاکہ ملک میں افراطِ زر [illegible] ہو سکے۔

اس سے قطع نظر ایک طرف تو یہ دعوے کئے جا رہے ہیں کہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ حاصل کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف [illegible] یہ بات [illegible] رہی ہے کہ اگر [illegible] نہ لیا تو [illegible] لے لیا جائے گا۔ پھر یہ [illegible] فرانس نے پاکستان کو پلانٹ دینے سے انکار کیا ہے [illegible] رہا تھا جب کہ یہ خیال [illegible] درست ہے۔ [illegible] لیا جائے تو شاید ان کو معلوم نہیں [illegible] ممالک اور یہ ٹیکنالوجی فروخت کرتے ہیں یعنی مغربی جرمنی اور سوئیڈن اور یہ دونوں ممالک مغربی بلاک سے وابستہ ہیں دوئم یہ کہ حال ہی میں مغربی جرمنی نے امریکہ کے دباؤ پر برازیل کو پلانٹ دینے سے انکار کیا ہے یہی حال ہمارا بھی ہوا تھا۔

یہ ہیں موجودہ حکومت کی کامیابیوں کی مختصر روداد اور بزعم خود قومی اتحاد کے نام نہاد عوامی رہنماؤں کی بغلیں بجانے کا ذکر خیر۔ آگے آگے دیکھئیے ہوتا ہے کیا۔

ٹنڈو الہ یار

کامل سموں

پیپلز پارٹی والوں کو شناختی کارڈ کے اجرا میں مشکلات

گذشتہ ... سے دیہی علاقوں میں رہنے والے ... باشندوں کی جانب سے مسلسل شکایات موصول ہو رہی ہیں کہ ... شناختی کارڈوں ... تشویشناک حد تک ہیرا پھیری ہو رہی ہے ... کارڈ ہولڈر ... کارڈ پر ... صحیح ہے تو ولدیت غلط بھی ہو ... ہوتی ہے اگر ... ولدیت کارڈ پر صحیح ہے تو ... پتہ غلط اور اگر یہ تمام چیزیں درست ہیں تو کارڈ ہولڈر کے کارڈ پر کسی دوسرے شخص کا فوٹو لگا دیا جاتا ہے ... شناختی کارڈوں میں یہ عجیب و غریب غلطیاں دیہی علاقوں ... رہنے والے لوگوں کے کارڈوں میں کی جاتی ہیں ... اس پر ... یہ بیچارے سیدھے سادھے لوگ ... پیپلز پارٹی کی حامی ہے شناختی کارڈ کے عملے سے اعتراض اور شکایت کرتے ہیں ... شناختی کارڈ کا عملہ ان کی ایک بھی نہیں سنتا اور انہیں دھمکیاں دے کر دفتر سے باہر نکال دیا جاتا ہے ... آج کل "عوام کی زبان پر تالہ اور ... شاہی کا بول بالا ہے"۔ محکمہ شناختی کارڈ کے عملے کی اس انتہائی غفلت نے دیہی علاقوں کے لوگوں میں ... شکوک و شبہات پیدا کر دیئے ہیں ہو سکتا ہے کہ ... غلطیاں عملے کی غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہو ... دیہی علاقوں کے باشندوں میں یہ تاثر پایا جا رہا ہے کہ ... دیہی باشندوں کے ساتھ ایک بہت بڑی سازش ... کیونکہ دیہی علاقوں کی آبادی پیپلز پارٹی کی حامی ہے ... آئندہ انتخابات شناختی کارڈوں کی بنیاد پر ہوں گے ... پیپلز پارٹی کے حامیوں کو انتخابات کے دوران اپنے ووٹ کا حق استعمال کرنے سے روکنے کے لئے شناختی کارڈوں میں دھاندلیاں کی جا رہی ہیں غلطی تو صرف چند کارڈوں میں ہو سکتی ہے سینکڑوں اور ہزاروں شناختی کارڈوں میں غلطی کو غلطی نہیں بلکہ سازش ہی کہا جا سکتا ہے۔

دیہی علاقوں کے غریب باشندے اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر دور دراز کے علاقوں سے یہاں آ کر شناختی کارڈ کے دفتر کے چکر کاٹتے رہتے ہیں اور کئی کئی ماہ تک سینکڑوں چکر کاٹنے کے بعد انہیں کارڈ بنا کر دیئے جاتے ہیں۔ ان تمام پریشانیوں کے باوجود بھی انہیں ناکارہ کارڈ بنا کر دیئے جاتے ہیں۔ کیا کہیں ہم "یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری"! شناختی کارڈوں میں شدید غلطیوں کی ایک قابل مذمت تازہ مثال پیش خدمت ہے۔ ٹنڈو الہ یار شہر سے تقریباً ۱۸ میل دور ... لانڈھی گوٹھ سید الطاف علی شاہ کے ایک ۳۵ سالہ غریب ہاری کرم علی ولد بخش علی کو شناختی کارڈ کے عملے نے ایک کارڈ جاری کیا ہے۔ جاری ہونے والے اس شناختی کارڈ پر ایک نامعلوم نوجوان کا فوٹو لگا ہوا ہے۔ عملے نے غلط فوٹو لگا کر کرم علی کے شناختی کارڈ کو بالکل ہی ناکارہ کر دیا ہے۔ پریشان حال ہاری کرم علی نے نمائندہ پربھات سے کہا کہ آپ ہم غریبوں کے خلاف ہونے والی اس سازش کو بے نقاب کر کے ہمیں اس سازش کا شکار ہونے سے بچائیں۔ کرم علی نے کہا کہ پیپلز پارٹی کی حمایت اگر جرم ہے تو اس کا صاف صاف الفاظ میں اعلان کیا جائے۔ ورنہ ایسی سازشیں کرنے سے پیپلز پارٹی کی مقبولیت پر بالکل اثر نہیں پڑے گا۔ اور ایسی گھٹیا حرکتوں کے نتائج اچھے ثابت نہیں ہوں گے۔ ہاری کرم علی نے اعلیٰ حکام سے گزارش کی ہے کہ وہ اس محکمہ کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے ٹھوس قدم اٹھائیں۔

نواب شاہ میں امیر جماعت اسلامی کیا کر رہے ہیں

پربھات، امن، مساوات اور صداقت پڑھنے والوں کی فہرستیں

نواب شاہ: میں جماعت اسلامی کی عوام دشمن سرگرمیاں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔ امیر جماعت ... صاحب علی ہیں، جن کے مکان پر رات گئے تک لمبے بند جماعتیوں کے خفیہ اجلاس ہوتے ہیں اور ان میں جماعت کے مخالفین اور عام مسلمانوں کو ... راست ... پر لانے کے منصوبے تیار کئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اجلاس میں فیصلہ کے مطابق ہاکروں سے پربھات، مساوات، امن اور صداقت پڑھنے والوں کی فہرستیں طلب کی گئی ہیں۔ تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ کون کون یہ اخبارات اور جرائد پڑھتے ہیں۔ جب ایک ہاکر نے اس بات پر سخت اعتراض کیا تو اس پر دن دھاڑے ایک غنڈے کے ذریعہ حملہ کر کے زخمی کر دیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ ہاکر کے جسم پر چاقو کے کئی گہرے زخم لگے تھے لیکن اس کی زندگی تھی اس لئے وہ بچ گیا۔

جماعت کے مخالف ہاکروں کا خیال ہے کہ پہلے تو قارئین سے کہا جائے گا کہ وہ سوشلسٹوں کے اخبارات نہ پڑھیں اور ان کی جگہ جسارت، بادبان، زندگی اور اس قبیل کے دوسرے جماعتیے اخبارات کا مطالعہ کریں اگر اس طرح لوگ مان جائیں گے تو ٹھیک ہے، بصورت دیگر ہاکروں سے کہا جائے گا کہ وہ مساوات، امن، صداقت پربھات اور دیگر روشن خیال جرائد کی سپلائی بالکل بند کر دیں اور ان کی جگہ زبردستی جسارت اور جماعت اسلامی کے دیگر ترجمان اخبارات اور رسائل زبردستی دیں۔ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو پھر دوسرا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جن ہاکروں کو جماعت اسلامی کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ انہیں مختلف طریقوں سے تنگ کیا جا رہا ہے تاکہ وہ یہ کام چھوڑ کر چلے جائیں اور ان کی جگہ جماعت اسلامی کے کسی ہمدرد کو رکھا جائے۔

آج ہمارے پاس نئی نسل کے سوال کا جواب نہیں ہے

ظفر قریشی

لوگ لاعلم رہتے ہیں تو سرکار زیادہ اطمینان سے حکومت کرسکتی ہے

صحافی کو لکھنے کی اجازت کبھی نہیں رہی

میرے ایک دوست کا دس گیارہ سالہ بیٹا، جس کا نام اس نے حمورابی رکھا ہے، بلا کا ذہین اور پڑھاکو ہے۔ اس کمسنی میں وہ نہایت دبیز شیشے کی عینک لگاتا ہے اور ایسے گاڑھے سوالات کرتا ہے کہ میرے ایسے مصلحت پسند لوگ بغلیں جھانکنے لگیں۔ باپ کو تو خیر وہ گھاس ہی نہیں ڈالتا کیونکہ اس کا خیال ہے کہ وہ صحافی ہونے کے باوجود صحافی کہلانے کے مستحق نہیں۔ اس کا اعتراض صحیح بھی ہے کیوں کہ ہمارے ہاں ایک مزدور کو سڑک کھودنے کی، ڈاکٹر کو علاج کرنے کی، مرجن کو آپریشن کرنے کی، دوکاندار کو منافع کمانے کی، اسمگلر کو اسمگلنگ کرنے کی، تاجر کو سرمایہ بنانے کی اجازت تو ہمیشہ سے رہی ہے لیکن صحافی بچارے کو لکھنے کی اجازت کبھی نہیں رہی۔ میری اس دوست سے اس موضوع پر جب بھی بات ہوئی، اس نے کہا کہ "بھائی کیا کریں۔ جب خود مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں ایک صحافی ہوں تو میرا بیٹا کیوں نہ شرمائے گا۔"

"پھر بھی، تم نے کوشش تو کی ہوگی لکھنے کی؟"

میں نے اسے کریدا۔

"ہاں کی تو تھی۔ لیکن میری تحریر میرے اخبار کی پالیسی کے خلاف تھی، اس لئے جب ایک مرتبہ میرا لکھا ہوا مسترد ہوگیا تو میں نے لکھنا ہی ترک کر دیا کہ قصیدہ گوئی سے تو یہی بہتر ہے۔"

"تو کیا ضروری ہے کہ اپنے اخبار ہی میں لکھو۔" میں نے سوال کیا۔

"بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ بصورت دیگر مجھے نوٹس مل سکتا ہے کہ آپ ایک اخبار کے ملازم ہوتے ہوئے دوسری جگہ لکھ رہے ہیں، اس لئے کیوں نہ آپ کو برخاست کیا جائے!"

"مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" میں نے اچنبھے سے، حالانکہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔

وہ بولا "معاملہ یہ ہے کہ صحافی کی حیثیت اس معاشرے میں کوڑھی کی ہے۔ یعنی اسے تنی تنخواہ تو دو کہ وہ زندہ رہے، لیکن اسے اتنی تنخواہ نہ دو کہ وہ سکون کی نیند سو سکے۔ کیوں کہ تم تو جانتے ہو کہ صحافی کو اگر بہتر مراعات ملیں گی تو وہ زیادہ موثر طریقے پر کام کرے گا اور سوچے گا۔ سوچے گا تو لکھے گا اور لکھے گا تو اس لکھے کو چھپوانے کی کوشش کرے گا اور جب اس کی تحریر چھپے گی نہیں تو وہ آزادیٔ صحافت کا علم لے کر کھڑا ہو جائے گا۔"

"بات اب بھی پلے نہیں پڑی استاد -!" میں نے اسے مزید کریدنے کی غرض سے کہا۔

"ہاں کسی نئے اخبار نویس کے پلے کیوں پڑے گی بھئی تمہاری اوّل تو شادی نہیں ہوگی اور اگر ہوگئی تو اس خستہ حالی میں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا۔" وہ جل کر بولا۔ پھر قدرے توقف کے بعد کہنے لگا "سنو۔ ڈاکٹر پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں یا نہیں؟ انجنیئر بھی اپنی بساط کے مطابق ادھر ادھر ہاتھ پیر مار ہی لیتے ہیں۔ اگر تنخواہ کم ہو تو کلرک یا اسکول کا استاد بھی کہیں پارٹ ٹائم کرتا یا بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ترتیب کے اعتبار سے دوسرے نمبر کے اہم ترین پیشے سے متعلق اخبار نویس یہ بھی نہیں کرسکتا کیوں کہ جناب پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ قوم کا دماغ ہوتا ہے۔ جیسے ظاہر ہے کہ پارٹ ٹائم ملازمت میں فارغ نہیں کیا جا سکتا، پھر زیادہ محنت کرنے سے اس کی صحت بھی خراب ہوتی ہے چنانچہ انتظامیہ اس کے دو ملازمتیں کرنے پر اعتراض میں یوں حق بجانب ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ

اس کے اوقاتِ کار اور طوائف کے اوقاتِ کار میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ دونوں سرِ شام کو سج بن کر نکلتے ہیں اور دن میں سوتے یا اونگھتے ہیں۔ لہٰذا اگر ایسے نامناسب اوقاتِ کار کے باوجود بھی وہ کچھ لکھنے کے لئے وقت نکال لیتا ہے تو ایسا صحافی یقیناً زیادہ خطرناک ہوا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ صحافی چونکہ ہر طبقے میں گھلتا ملتا ہے اس لئے معاشرے کی سوچ کے بارے میں وہ زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔ لوگ جو کچھ سوچتے ہیں وہ سب کچھ اگر چھپ جائے تو امن و امان میں خلل پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لئے جنابِ من، اخبارات کو پابند رکھا جاتا ہے۔ اخبارات پابند ہوتے ہیں۔ تو لوگ لاعلم رہتے ہیں، لوگ لاعلم رہتے ہیں تو سرکار زیادہ اطمینان سے حکومت کر سکتی ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب ننگے بھوکے اخبار نویس اپنی انتظامیہ ہی کو آنکھیں نہیں دکھا سکتے تو حقوق کے لئے بڑی جدوجہد بھی نہیں کر سکتے۔ اس طرح اخبار کی انتظامیہ اور سرکار کے درمیان پرامن بقائے باہم کے اصول کے تحت مفاہمت ہو جاتی ہے۔ اخبار کی آمدنی بڑھ جاتی ہے اور سرکار کی پالیسیوں پر تنقید ختم ہو جاتی ہے اور قصیدے شروع ہو جاتے ہیں۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ جو اخبار نویس یا صحافی ان حقائق کے باوجود راہِ راست پر نہیں آتے ان کی سرکوبی نہایت آسانی سے کی جا سکتی ہے۔ انہیں ملک دشمن، کسی سابقہ حکومت کا دوست، ادھامی، شرابی، جواری، بلیک میلر، کمیونسٹ یا سوشلسٹ وغیرہ قرار دے کر ان کی دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی بھی چھینی جا سکتی ہے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ جو صحافی یا اخبار نویس ان تمام عوامل کی پروا نہ کرتے ہوئے، اگر اپنی صلاحیت سے، اپنے پیشے سے ہٹ کر مالی طور پر مستحکم ہونے کی کوشش کریں تو اپنے ہم پیشہ افراد میں مشتبہ نظر سے دیکھے جائیں۔ ہم پیشہ افراد انہیں خوشحال ہوتا دیکھ کر شکوک میں مبتلا ہوں کہ ان کا کوئی خفیہ ذریعۂ آمدنی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جب ضرورت کے باوجود ان پر فاضل آمدنی حرام قرار دی جائے تو وہ اپنے ہم پیشہ افراد کے سامنے سر اٹھا کر تو بات نہیں کر سکیں گے۔ اس طرح جب ان میں اور ہم پیشہ افراد میں شبہے کی دیوار کھڑی ہو جائے گی تو وہ لاکھ مالی طور پر مستحکم ہو جائیں، بوقتِ ممکنہ جدوجہد ان کی طرف سے کسی قسم کی مالی مدد کو بھی مشتبہ نظر سے دیکھا جائے گا۔ آٹھویں وجہ یہ ہے ....!"

ابھی میرے دوست کی تقریر جاری تھی کہ اندر سے حمورابی دوڑتا ہوا آیا اور مجھے دیکھ کر لپٹ گیا۔

"انکل۔ انکل ۱۸۰۹ء کے انگلستان اور فرانس میں کون سا نظام رائج تھا؟"

"کیوں بیٹا یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" میں نے پیار کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"آج میں لارڈ بائرن کی نثر کا مجموعہ پڑھ رہا تھا۔ اس میں ایک خط ہے جس میں بائرن نے لکھا ہے کہ اس کے سامنے فال ماؤتھ نامی ایک جگہ پر ایک عورت کو مرغی چرانے اور میونسپل کارپوریشن کو برا بھلا کہنے کے الزام میں میں اتنے کوڑے مارے گئے کہ وہ ادھ موئی ہو کر گر پڑی۔"

میں نے اپنے دوست کی طرف گھور کر دیکھا۔ ہاں، بھلا یہ بھی کوئی تک ہے کہ اپنی اولاد کو اول جلول کتابیں پڑھنے سے بھی نہیں روک سکتا۔ پھر میں نے اس سے کہا "بیٹا، یہ جو گوری چمڑی والے ہوتے ہیں نا، خاص طور پر انگریزی بولنے والے، یہ بہت جھوٹ بولتے ہیں۔ تم ان کی باتوں پر یقین نہ کرنا، خواہ وہ چھپی ہوئی ہی کیوں نہ ہوں۔"

"مگر انکل آپ نے تو یہ بتایا ہی نہیں کہ اس زمانے کے انگلستان اور فرانس میں کون سا نظام تھا؟" اس نے اصرار کیا

"اچھا ہی نظام ہوگا۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "دونوں ملکوں میں نیک اور خدا ترس بادشاہ ہوں گے اور لوگ چین کی بنسی بجاتے ہوں گے۔ بھاجی ترکاری سستی ہوگی۔"

"اونہہ۔ آپ سمجھ ہی نہیں رہے ہیں۔" اس نے سر جھٹک کر کہا۔ "میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا اس زمانے کے انگلستان اور فرانس میں ہمارے ایسے لوگوں کی اکثریت تھی۔؟"

"نہیں بیٹا، ہمارے ایسے نہیں تھے اور نہ ہیں۔ ان کی اکثریت عیسائی ہے اور سفید چمڑی والے ہیں۔" میں نے کہا

"لیکن انکل۔ اگر یہ بات ہے تو آج کل ان کے ہاں کوڑے کیوں نہیں لگائے جاتے؟ کیا ان کے ہاں آج کل کوئی عیسائی چوری نہیں کرتا؟"

اس سوال کا نہ میرے پاس کوئی جواب تھا اور نہ حمورابی کے باپ کے پاس، چنانچہ اس نے حمورابی کو ڈانٹ کر اندر بھیج دیا اور ہم گرانی اور معیارِ حیات پر گفتگو کی دلدل میں اپنے پھٹے سفید قمیص کے سفید کالر تک دھنس گئے۔ ■

کوئی سودے بازی نہیں ہوگی، اعزاز نذیر

نیشنل پروگریسو پارٹی آف پاکستان کے صدر جناب ڈاکٹر اعزاز نذیر نے اپنے ایک بیان میں بلوچستان کے عوام پر سرداری نظام کو دوبارہ مسلط کرنے اور مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۱۱۵ (زرعی اصلاحات) کی معطلی کی پرزور مذمت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے عوام کے لئے ان کے حقوق غصب کئے جانے کا عمل کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن موجودہ حکومت عوام کی اب تک حاصل کی ہوئی کامیابیوں سے بھی انہیں محروم کر رہی ہے۔ ملک میں مارشل لاء پھر نافذ کر دیا گیا ہے مزدوروں کو ملازمت سے برطرف کرنے کا حق آجروں کو پھر دے دیا گیا ہے۔ کاشت کاروں کی بے دخلیاں بڑھ گئی ہیں صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کے عمل کو تبدیل کر دیا گیا ہے قانونی ضابطوں کو سیاسی انتقام اور مخالفین کو خوفزدہ کرنے کا حربہ بنا لیا گیا ہے۔ ترقی پسند نظریات اور ترقی پسند افراد کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور اب سرداری نظام کو دوبارہ نافذ کرنا اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے۔ جس سے عوام کو ان کی حاصل کردہ کامیابیوں سے محروم کرنا مقصود ہے۔ انہوں نے کہا بلوچستان کے عوام کے حقوق ملک کے دیگر حصوں میں بسنے والے لوگوں کے حقوق سے منسلک ہیں اور اس کا ایک حصہ ہیں۔ ان حقوق کے حصول میں کامیابی یا ناکامی کا دارومدار پاکستان کے عوام کی جمہوری جدوجہد پر منحصر ہے۔ لہٰذا بلوچستان کے عوام کے حقوق کے لئے جدوجہد کو ملک کی جمہوری جدوجہد سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے کسی سودے بازی کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے اگر کوئی فرد یہ تاثر دینے کی کوشش کرے کہ بلوچستان کے عوام کے حقوق ملک کی جمہوری جدوجہد سے کٹ کر اور الگ رہ کر حاصل کئے جا سکتے ہیں تو وہ محض خودغرضی کی بناء پر بلوچستان کے عوام کو فریب دینے کی کوشش کر رہا ہو ملک کے موجودہ حالات نے عوام دوست اور عوام دشمن قوتوں کے درمیان خط کھینچ دیا ہے۔ اور ان میں کوئی قدر

کراچی کے لوگ

آنسوؤں کی زبان میں باتیں کر رہے ہیں

۳۲ افراد ہلاک، ہزاروں تباہ اور برباد ہو چکے ہیں

شبیہ الحسن

کراچی میں بارش سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۳۲ ہو گئی۔ لاتعداد لوگ لاپتہ ہیں۔ ملیر لیاری اور حب ندی میں طغیانی کے سبب ان کے اطراف کی کچی آبادیوں کو شدید نقصان پہنچا۔ محمود آباد، اعظم بستی، ناتھا خان گوٹھ، بلال کالونی، اختر کالونی، آگرہ تاج کالونی، لیاری، بنارس کالونی، منگھو پیر روڈ، ملیر سعود آباد، لانڈھی، کورنگی، اورنگی، نئی کراچی اور دیگر سینکڑوں کالونیاں، بستیاں اور گوٹھیں زیرِ آب آگئیں۔ بیشتر علاقے شہر سے کٹ گئے۔ پانی کے تیز بہاؤ سے ملیر ہالٹ کے قریب قومی شاہراہ کا ایک حصہ بہہ گیا۔ ملیر پل کے قریب حفاظتی پشتے کو سخت نقصان پہنچا۔ لوگوں نے چھتوں اور بلند مقامات پر چڑھ کر اپنی جانیں بچائیں۔ مواصلات اور ٹریفک کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ سائن بورڈوں کے گرنے سے سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی ہو گئیں۔ گذشتہ بہتر گھنٹوں کے دوران ۱۷۲ ملی میٹر (تقریباً سات انچ) بارش ریکارڈ کی گئی۔

یہ طوفانی بارشوں کا دوسرا دور تھا۔ اس سے قبل جون میں بارش اور سیلاب اپنے پیچھے جو تباہی کی جو داستانیں چھوڑ گیا تھا۔ ان سے ابھی لوگ سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ بارشوں کے دوسرے اور قیامت خیز ریلے نے موت اور تباہی کا دروازہ کھول دیا۔ بنگالی کیمپ میں ہری گلزار کالونی کے ایک تباہ حال خاندان سے ملاقات ہوئی۔ ایک عورت، ایک بچی، ایک پالتو کتا اور چند تانبے کے خالی برتن اور چند میلی بھیگی چادریں اور ایک لحاف ان کے پاس یہی کل اثاثہ بچ رہا تھا۔ باقی سب کچھ پانی کے تیز ریلے کی نذر ہو گیا۔ اس عورت نے بتایا کہ اس کا مرد صبح کام پر گیا تھا مگر دو دن گذرنے کے باوجود لوٹ کر نہیں آیا۔ خدا جانے زندہ ہے یا ——— اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ باقی کہانی اس کے آنسوؤں نے سنا دی۔

محکمہ موسمیات کی اطلاعات کے مطابق بارشوں کا نیا سلسلہ بھارت کے صوبہ راجستھان کے شہر جے پور کے قریب شروع ہوا۔ ہوا کے دباؤ میں غیر معمولی کمی کی وجہ سے پاکستان کے جنوبی حصوں میں غیر معمولی بارشیں ہوئی ہیں۔ محکمہ موسمیات نے پیش گوئی کی ہے کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔ لیکن اگر سرکاری اعمال اور محکموں پر اعتماد کر لیا جائے تو نقصانات کا شمار کرنا اور اندازہ لگانا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں عملے اور محکموں کو آبادی کے تحفظ اور پیش بندی کی نہیں، تباہی اور بربادی کے معائنہ کی تربیت دی جاتی ہے۔ لطیف آباد، حیدرآباد والے تو اب تک حیران ہیں کہ جون کی بارشوں میں پانی کا اتنا زبردست ریلا کہاں سے آگیا تھا کہ طوفانِ نوح کا منظر نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ منہ زور پانی مکانوں میں گھس گیا۔ سارا سامان، اثاثہ، پلنگ، چارپائی، گھریلو استعمال کی اشیاء اور کھانے پینے کی چیزیں پانی کے تیز بہاؤ کی نذر ہو گئیں۔ متاثر باشندوں اور جمعیت العلمائے پاکستان کے رہنماؤں نے سیلابی پانی کی مقدار اور بہاؤ پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ لطیف آباد میں اتنی بڑی مقدار میں محض بارشوں کا پانی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس کی تحقیقات کرائی جائے کہ پانی کا یہ زبردست ریلا اس جانب کیسے آیا — وہ تو کہئے کہ اس وقت پیپلز پارٹی اقتدار میں نہیں ہے ورنہ اس پر یہ الزام ضرور لگایا جاتا کہ لطیف آباد کے "مہاجرین" کو سزا دی جا رہی ہے۔

حیدرآباد کی متاثرہ کالونیوں کی شکایات جمع کی جائیں تو حکومت اور انتظامیہ کی بے عملی اور لاپرواہی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ مہینوں گذرنے کے باوجود لطیف آباد اور زیرِ آب علاقوں سے پانی کی نکاسی کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکا۔ اس سے نقصانات میں مزید اضافہ ہی ہوا۔ لطیف آباد والوں کو خاص طور پر جنرل ضیاء کی آمد کا انتظار تھا۔ مگر شاید ان کا وہ مشورہ اچھا نہیں لگا ہوگا جس میں انہوں نے خاص انداز سے فرمایا تھا کہ اگر ہر شہری ایک ایک بالٹی پانی نکال کر باہر پھینکتا تو سیلابی پانی کبھی کا نکل چکا ہوتا۔ جنرل صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر شہری جمع شدہ پانی کہاں پھینکتے۔؟

جنرل صاحب کے اس ریمارک پر لطیف آباد کے ایک متاثر شخص نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہمارے زخموں پر

جمہوریت کے لئے قربانیاں دینے والے سسک رہے ہیں

نمک پاشی کے مترادف ہے۔ کیا مارشل کی تحریک میں ہماری دی ہوئی جانی اور مالی قربانیوں کا یہی صلہ ملنا تھا؟"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گذشتہ اور حالیہ بارشوں کی وجہ سے سندھ کے دو بڑے شہروں کراچی اور حیدرآباد میں شہریوں خاص طور پر کچی اور نشیبی علاقوں میں رہائش پذیر آبادیوں کے جان و مال کا زبردست نقصان ہوا۔ جن کی تلافی ناممکن ہے۔ اگر سیلاب اور بارشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے قبل از وقت

مشترک نہیں ہے۔ آج عوام کی اکثریت کے لئے جن کے حقوق سلب کر لئے گئے ہیں۔ متحدہ جدوجہد کے علاوہ کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہا۔

نیشنل پروگریسو پارٹی کے انقلابی شاعر اقبال سحر نے ایک اخباری بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ایک خصوصی ٹیم کے ذریعے صوابی تحصیل کا سروے کیا جائے تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے کہ علاقہ میں حالیہ سیلابوں نے کتنی تباہی مچا کر کتنے گھروں کو برباد کر دیا ہے۔ نیز سیلاب زدگان کی فرداً فرداً فوری اور مکمل امداد کی جائے۔ تباہ شدہ سڑکوں اور پلوں کو دوبارہ تعمیر کیا جائے اور تباہ حال کھڑی فصلوں کا فوری معاوضہ ادا کیا جائے تاکہ علاقہ کے محنت کش عوام سکھ کا سانس لے سکیں۔ انہوں نے صوابی تحصیل کے مسائل پر بالخصوص این ڈی پی اور بالعموم دیگر پارٹیوں کے لیڈروں کی مجرمانہ خاموشی کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ عوام کے دوست نہیں دشمن ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ حالیہ سیلابوں کی بدولت علاقہ میں ملیریا اور ہیضہ کی جو وبا پھوٹ پڑی ہے جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔ اس کی روک تھام کی جائے اور علاقہ کے متاثرہ عوام کو اعلیٰ اور مفت طبی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

حفاظتی اقدامات کر لئے جاتے تو کم از کم قیمتی جانیں ہی بچائی جا سکتی تھیں ۔ لیکن بدقسمتی سے سارے وسائل کے باوجود کوئی پیش بندی نہ کی گئی جس کے نتیجے میں دونوں بڑے شہروں کی زندگی اور کاروبار کئی روز تک معطل رہا ۔ تاہم یہ دونوں شہر اس معاملہ میں بڑے خوش قسمت ہیں کہ معمول کے مسائل ہوں یا ناگہانی صورت میں نازل ہونے والی آفتیں اور مصیبتیں، ان پر جو شور مچتا ہے اس کی بازگشت پورے ملک میں سنائی دیتی ہے ۔ اور لوگ شہ ہی کو اپنے کان کے پردوں کو پھٹنے سے بچانے کے لئے روئی کی گانٹھوں کی ضرورت پیش آتی ہے ۔

اس سال برسات کے دوران اندرونِ سندھ جتنے بڑے پیمانے پر تباہی پھیلی ہے اس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی ۔ بدین کے ایک ضعیف العمر شخص نے سیلاب اور بارشوں کی تباہی پر اپنے تاثرات دیتے ہوئے کہا کہ گذشتہ سو سال کے دوران ایسی بربادی نہیں دیکھی ۔ حفاظتی بندوں میں ایک بار نہیں، کئی بار شگاف پڑے ۔ ٹھٹھ، سجاول، شہداد کوٹ، تھری میر واہ، داد، خیرپور، ٹنڈو محمد خان، ناؤشن شاہ، میہڑ، میرپور خاص، تھرپارکر، بدین، گمارچی، غرضیکہ اندرونِ سندھ کے جسم پر سیلاب نے ایسے چرکے اور گہرے زخم لگائے ہیں کہ برسوں مندمل ہونے کی امید نہیں ہے ۔ لاکھوں افراد خانماں برباد ہو گئے ۔ ان کے اثاثے پانی میں ڈوب گئے ۔ اور جھونپڑیاں، کچے مکانات سیلابی ریلے میں مٹی کے گھروندے کی طرح بیٹھ گئے ۔

اس بار گندم اور کپاس کی اچھی فصل کی امید تھی ۔ لیکن اس سیلاب نے اس امید کو خاک میں ملا دیا ۔ کماد اور دوسری فصلوں کو بھی زبردست نقصان پہنچا ۔

ہماری اطلاعات کے مطابق اندرونِ سندھ کے سینکڑوں گوٹھ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور ہزاروں باشندے ننگے جسم بھوکے پیٹ امداد کے منتظر ہیں ۔ لیکن نہ اس آفت سے قبل ان کی کوئی مدد کی گئی اور نہ تباہی و بربادی کے بعد ان کے زخموں پر مرہم رکھا گیا ۔ انہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ انتظامیہ کی نااہلی اور غیر ذمہ داری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ روہڑی کینال میں چار مرتبہ شگاف پڑے ۔ جس کے سبب ہزاروں ایکڑ اراضی زیرِ آب آ گئی اور متعدد دیہات پانی میں ڈوب گئے ۔ اس بارے میں جو تفصیلات ملی ہیں اس کے مطابق روہڑی کینال کے دائیں کنارے آر ڈی ۹۰/۹۱، کے قریب پچاس سے سو فٹ لمبے تین شگاف پڑے ۔ جس کے دجہ سے سینکڑوں ایکڑ پر کھڑی کپاس کی فصل مکمل طور پر تباہ ہو گئی ۔ روہڑی کینال میں چوتھا شگاف زہر پیر گوٹھ کے قریب آر ڈی ۸۶۷ میں پڑا جس کی لمبائی سو فٹ کے قریب تھی ۔

اس طرح متعدد حفاظتی بندوں اور کینالوں میں عدم توجہی کے سبب شگاف پڑنے کے واقعات ہوئے جس سے دیہی باشندوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ۔ ان واقعات سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اندرونِ سندھ دیہی باشندوں کو جان بوجھ کر ناگہانی آفت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ۔

چند امدادی کیمپوں، لائف بوٹوں اور دوروں سے ان نقصانات کی تلافی ہرگز نہیں ہو سکتی جو کراچی، حیدرآباد اور اندرون سندھ کے باشندوں کو ہوئے ہیں ۔ اور شاید نہیں اس کی ضرورت بھی نہیں ۔ کیوں کہ وہ مصائب اور سختیاں برداشت کرنے کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ہر نئی مصیبت پہلے سے کم محسوس ہوتی ہے ۔ چند روز رو پیٹ کر اپنے نقصان پر صبر کر لیں گے آنسو خشک کر لیں گے ۔ اور دوبارہ کاروبارِ حیات میں اسی سرگرمی اور جانفشانی سے مصروف ہو جائیں گے ۔ شاید انہیں زندہ رہنے کا سلیقہ آ گیا ہے ●●

تمام سیاسی اور صحافتی قیدی رہا کئے جائیں، مختار رانا

پاکستان انقلابی محاذ کے سربراہ جناب مختار رانا نے لندن سے ایک خط کے ذریعے صحافیوں کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کی بقا اور ترقی اور خوشحالی کے لئے لازم ہے کہ پاکستان انقلابی محاذ کے قائمقام سکریٹری جنرل ریاض شاہد سمیت تمام سیاسی اور صحافتی قیدی رہا کئے جائیں ۔ تاکہ پاکستان کے عوام اپنے ووٹوں سے اپنے جمہوری نمائندے منتخب کر سکیں ۔ اور ملک میں آئین اور قانون کی حکمرانی ہو ۔ انہوں نے کہا کہ احتساب کا حق صرف اور صرف عوام کو ہے اور وہ ہی اپنے ووٹوں کے ذریعے قانون و آئین کے پاسبانوں کو منتخب کرتے ہیں کہ ملک میں انصاف کا بول بالا ہو سکے ۔

انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں تیل و گیس اور دیگر معدنی خزانوں کی بھرمار، نہایت عظیم افرادی قوت اور نہایت اہم جغرافیائی حیثیت کی بدولت سامراج اسے جہارتِ لوازم کا شکار رکھنا چاہتا ہے ۔ تاکہ اسے سامراجی مظالم کے لئے محض مہرے کی طرح استعمال کرتا رہے ۔ پاکستان کو ہمیشہ سیاسی انتشار اور اندرونی کشمکش میں مبتلا رکھے ۔ لیکن پاکستان کے عظیم عوام نے اپنی لازوال تاریخی قربانیوں سے پاکستان کو جنم دیا تھا اپنی عظیم جدوجہد اور بیداری سے پاکستان کی تعمیر، عظمت اور خوشحالی میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کر کے پاکستان میں عوامی جمہوری حکومت قائم کر کے رہیں گے ۔ آمریت، جاگیرداری، سرمایہ داری، سامراجی اثرات و بیروزگاری و مہنگائی اور بدعنوانی کا خاتمہ کر کے رہیں گے ۔

لاہور میں پاکستان انقلابی محاذ کا ایک غیر رسمی اجلاس جناب علی احمد طاہر کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ جس میں تنظیمی امور کے علاوہ ملک کی اقتصادی و سیاسی صورت حال پر غور کیا ۔ اجلاس میں انقلابی محاذ کے مرکزی پراپیگنڈہ سیکریٹری لال حسین راشد، شیخ نعیم اقبال (جنرل سکریٹری) تنویر احمد بٹ (نائب صدر لاہور) محمد شریف زاہد، نعیم چوہدری، آصف محمود بٹ (تنظیمی کمیٹی) ملک عبدالوحید ۔ جمال احمد شریفی ایڈووکیٹ (کنوینر) اور پراپیگنڈہ سیکریٹری خادم عثمان بٹ نے شرکت کی ۔

اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئی ۔

ا ۔ یہ اجلاس راولپنڈی اور جڑانوالہ کے مزدوروں پر پولیس کے ظالمانہ تشدد کی شدید مذمت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ ان کے تمام مطالبات فوری تسلیم کئے جائیں ۔ اور پاکستان انقلابی محاذ کے قائم مقام سکریٹری جنرل ریاض شاہد سمیت تمام گرفتار شدہ طلبہ، مزدوروں، کسان، صحافیوں اور سیاسی کارکنوں کو رہا کیا جائے ۔

۲ ۔ یہ اجلاس ۔ آزادئ صحافت کی جدوجہد میں ملک بھر کے اخباری کارکنوں کی تحریک کی پُرزور حمایت کرتا ہے ۔ اور ان کے تمام مطالبات تسلیم کرنے پر زور دیتا ہے

بقیہ ۔ نصرت بھٹو

گذار کی نقل و حرکت اس کے گھر کی چار دیواری تک محدود کر دی گئی ۔ نیز اسے مزید ہدایت کی گئی کہ وہ مدّعا علیہ کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی سے ملاقات نہ کرے ، کوئی پریس کانفرنس نہ کرے اور کسی اخبار یا اس طرح کے کسی ذریعۂ ابلاغ میں کوئی خبر نہ چھپوائے ۔ کارروائی کے دوران اور درخواست گذار کے اس اعتراض کے بعد کہ زیر بحث حکم (مشمولہ "ای") جس کی درخواست گذار پر تعمیل کرائی گئی ہے وہ زیر بحث اصل حکم نہیں ہے اور اس معزز عدالت کی ہدایت پر اصل حکم جیسا کہ مدّعا علیہ نمبر ۱ نے جاری کیا تھا ۔ ریکارڈ پر لایا گیا ۔ جو اس ترمیمی درخواست کے ساتھ مشمولہ "ای ۔ ۱" منسلک ہے ۔ زیر بحث اصل حکم جو زیر بحث حکم مشمولہ "ای" (جس پر مدّعا علیہ نمبر ۱ کی طرف سے کسی لیفٹیننٹ کرنل نے دستخط کئے ہیں) سے قطعاً مختلف ہے تقریباً ڈھائی ماہ بعد اس معزز عدالت کے ریکارڈ پر لایا گیا ہے ۔

۱۴ ۔ کہ زیر بحث حکم (مشمولہ "ای ۔ ۱") ایک بے اثر حکم ہے ۔ یہ قانون کے مطابق نہیں ہے

۱۵ ۔ کہ یہ معزز عدالت روزانہ مقدمے کی سماعت کر رہی تھی اور درخواست گذار کی میعاد نظر بندی ' مشمولات "جی" اور "ای ۔ ۱" کے مطابق ' ۲۰-۸-۱۹۷۸ کی نصف شب کو ختم ہو رہی تھی ۔ ۲۰-۸-۱۹۷۸ کو اس مقدمے کی سماعت جزوی طور پر سماعت شدہ مقدمے کی حیثیت سے اس عدالت کی جانب سے اس ہدایت کے ساتھ ملتوی کی گئی کہ فاضل ایڈووکیٹ جنرل معزز عدالت کو یہ اطلاع فراہم کریں کہ آیا درخواست گذار کی میعاد نظر بندی میں توسیع کی جا رہی تھی یا نہیں ۔ فاضل ایڈووکیٹ جنرل عدالت میں درخواست گذار کی میعاد نظر بندی کے بارے میں کوئی اطلاع پیش نہ کر سکے کیونکہ بقول ان کے انہیں اس وقت اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی تھی ۔

۱۶ ۔ کہ ۲۱-۸-۱۹۷۸ کو فاضل ایڈووکیٹ جنرل مدّعا علیہ نمبر ۲ جاری کردہ حکم مشمولہ "ایف" ریکارڈ پر للئے ۔ جو ایک جداگانہ حکم ہے ۔

۱۷ ۔ کہ مورخہ ۲۰-۸-۱۹۷۸ کا زیر بحث حکم غیر قانونی اور بدنیتی پر مبنی ہے ' در پردہ اور ثانوی مقاصد کے لئے جاری کیا گیا ہے اور اختیارات کا داغدار استعمال ہے ۔ بغیر کسی قانونی مجاز کے ہے اور کوئی قانونی اثر نہیں رکھتا ۔ جس کی وجوہات دیگر اور وجوہات کے ساتھ عبوری طور پر حسب ذیل ہیں ۔

وجوہات

(۱) کہ مدّعا علیہ نمبر ۱ کا جاری کردہ حکم مورخہ ۲۱-۵-۱۹۷۸ صحیح نہیں تھا اور کسی بھی اعتبار سے قانون کے مطابق نہیں تھا ، اور حکم مورخہ ۲۱-۵-۱۹۷۸ کی بنیاد پر نظر بندی کو جاری رکھنے کے بارے میں مدّعا علیہ نمبر ۱ کا جاری کردہ کوئی بھی حکم اسی طرح قانونی اعتبار سے بے بنیاد ہوگا ۔ زیر بحث حکم (مشمولہ "ایف") بذاتِ خود ایک غیر صحیح حکم ہے جب کہ کسی غیر قانونی حکم کی بنیاد پر دیتے جانے والے کسی قانونی حکم کے تحت بھی نظر بندی جاری نہیں رکھی جا سکتی ۔

(۲) سی ایم ایل او ۲۷ اور سی ایم ایل او ۳۳ کی ترامیم کے بعد ہے ' کے تحت بھی نظر بندی کے پہلے حکم میں مزید تین ماہ کی توسیع صرف اس حکم کا جاری کرنے والا حاکم مجاز ہی کر سکتا ہے اور ابھی ابتدائی حکم کی میعاد پوری ہونے سے پیشتر ۔ مدّعا علیہ نمبر ۲ کی جانب سے کوئی جدا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا ۔ صرف پہلے زیر بحث حکم ہی میں مدّعا علیہ نمبر ۱ توسیع کر سکتا تھا ۔

(۳) نہ تو زیر بحث حکم (مشمولہ "الف") نہ ہی (مشمولہ ای ۔ ایف) قانونی طور پر برقرار نہیں رہ سکتے ۔ یہ دونوں احکام نادرست ہیں ۔ یہ دونوں احکام غلط دستاویزیں ہیں ۔ پہلی بات یہ کہ حکم نظر بندی صرف ایک ہو سکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ حکم نظر بندی کو قانون کے تمام تقاضے پورے کرنے ہوں گے ۔

(۴) کہ مدّعا علیہ نمبر ۱ کی طرف سے اس معزز عدالت میں یہ دلیل دی گئی تھی کہ وہ صرف مشمولہ "ای" کو خارج کر کے حکم (مشمولہ "ای ۔ ۱") کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں ۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے سے ناقابل مفاہمت ہیں ۔ معاملے کی اس نوعیت کے پیشِ نظر مشمولہ "ای ۔ ۱" ایک غیر موثر دستاویز ہے ۔ نہ تو اس میں وجوہات شامل ہیں نہ ہی حکم نظر بندی جاری کرنے والے حاکم مجاز کی رائے ' اطمینان یا یقین میں شامل ہے ۔ اس لئے اسے زمیں بوس ہو جانا چاہیئے اور اس پر کوئی بالائی ڈھانچہ کھڑا نہیں کیا جا سکتا ۔ نظر بند کرنے والے حاکم مجاز سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اندیشہ کرتے اور نظر بند کرنے کا عوامی اختیار قانون کے مطابق استعمال کرے گا نہ کہ یک طرفہ اور مبتذل طور پر ۔ اس طرح کا اختیار کا استعمال نیم عدالتی کام ہے ۔

(۵) مدّعا علیہ نمبر ۲ کا جاری کردہ حکم بذاتِ خود غیر موثر ہے اور وہ سی ایم ایل او ۱۲ کے مطابق نہیں ہے ۔ یہ سی ایم ایل او ۱۲ کے احاطے اور دائرے سے باہر ہے اس لئے قطعی طور پر بلا قانونی اختیار کے ہے ۔

(۶) کہ مدّعا علیہ نمبر ۱ کے زیر بحث حکم (مشمولہ ای ۔ ۱) کے جاری کرنے سے پیشتر درخواست گذار ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے احکام کے تحت نظر بند رکھی جا رہی تھی اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے ہر حکم کی نقل دوسرے حکام کے علاوہ سب مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سب سیکٹر ۱ کو بھیجی جاتی تھی ۔ درخواست گذار نے رٹ پٹیشن نمبر ۱۸۵۹ بابت ۱۹۷۸ء داخل کی جس کے ذریعے اس نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے حکم مورخہ ۲۵-۳-۱۹۷۸ (مشمولہ "بی") کو چیلنج کیا ۔ اسی دوران ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم مورخہ ۲۴-۴-۱۹۷۸ (مشمولہ "سی") جاری ہوا اور اس کو بھی اسی رٹ پٹیشن میں زیر بحث لایا گیا جس میں ترمیم کر دی گئی تھی ۔ مذکورہ رٹ پٹیشن میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے ساتھ ، ہوم سکریٹری اور حکومت پنجاب کو بھی فریق بنایا گیا تھا ۔ ۲۲-۵-۷۸ کو فاضل اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل نے اس معزز عدالت کے روبرو اس نوعیت کا ایک بیان دیا کہ حکومت پنجاب بیگم نصرتِ بھٹو کی نظر بندی کے حکم ' جو ۲۲-۵-۷۸ کی آدھی رات کو ختم ہونے والا تھا ، میں توسیع نہیں کرے گی ۔ اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل کے بیان پر رٹ پٹیشن کو نمٹا یا گیا ۔ بڑے دکھ کے ساتھ اس معزز عدالت کے علم میں یہ بات لائی جا رہی ہے کہ ۲۱-۵-۱۹۷۸ کو زیر بحث حکم (مشمولہ "ای") ، مدّعا علیہ نمبر ۱ کی جانب سے پہلے ہی جاری کیا جا چکا تھا اور درخواست گذار پر اس کی تعمیل بحیثیت "ای ۔ ۱" کی جا چکی تھی ۔ یہ دونوں غیر موثر دستاویزات ہیں کیونکہ انہیں اس معزز عدالت کے علم میں نہیں لایا گیا تھا ۔ جب کہ اسی نوعیت کا حکم زیر غور تھا ۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے جاری کردہ احکام بھی (جن کے خلاف پیش کردہ موقف کو ہوم سکریٹری نے مسترد کر دیا تھا) قانون کے مطابق نہیں

تھے۔ کیونکہ صرف ایک وجہ جسے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے
پسند کیا وہ روزنامہ مساوات کی ۱۹۷۸-۳-۱۱ کے
ضمیمے کی اشاعت تھی۔ جو یکے بعد دیگرے جاری ہونے
والے نظربندی کے احکام یعنی اصل پٹیشن کے ساتھ
منسلک مشمولات "اے"، "بی"، "سی" کی بنیاد نہیں
بنائی جاسکتی۔ حکومت پنجاب نے بذاتِ خود پسند کیا
کہ ۱۹۷۸-۵-۲۲ (نظربندی کی آخری تاریخ) جو کہ
نظربندی کے حکم مورخہ ۱۹۷۸-۴-۲۴ مشمولہ "ای"
میں مذکور تھی سے آگے میعادِ نظربندی میں توسیع
نہ کی جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے احکام کی قانونی
حیثیت یا دوسری صورت پر بحث نہ ہو سکی۔ یہ ذکر کر دیا
جائے کہ روزنامہ مساوات کے ضمیمے مورخہ ۱۹۷۸-۳-۱۱
کی اشاعت درخواست گذار کی مسلسل نظربندی کی
علت بن چکی تھی حقیقت یہ ہے کہ یہ ضمیمہ اس عدالت
کے وقار اور احترام میں اضافہ کرتا ہے۔ درخواست
گذار اس معزز عدالت کے بارے میں بلند خیالات
رکھتی ہے۔ پولیس کی مختلف ایجنسیوں کی جمع کردہ
رپورٹیں درخواست گذار کی نظربندی کی وجہ تصور
نہیں کی جاسکتیں کیونکہ درخواست گذار کو جن حالات
میں رکھا گیا ہے اس کے پیشِ نظر ایسی رپورٹوں کے
بارے میں علم ہے کہ وہ جانبدارانہ ہوں گی۔ شدید
ذہنی اذیت اور صبر آزما اور دگرگوں حالات کے
باوجود درخواست گذار نے ہمیشہ قانون کے زبردست
احترام کا مظاہرہ کیا ہے۔

(VII) کہ مدعا علیہ نمبر۲ حکومت پنجاب کی انتظامیہ
سے متعلق ہیں اور حکومت پنجاب کی طرف سے جو بھی بیان
اس معزز عدالت میں دیا جاتے اس کی پابندی مدعا علیہ
نمبر۲ پر لازمی ہے۔ اس لئے مدعا علیہ نمبر۱ و نمبر۲،
درخواست گذار کے خلاف کوئی حکم جاری نہیں کرسکتے۔

(VIII) کہ سابقہ رٹ پٹیشن یعنی ڈبلیو۔ پی
۱۸۵۹/۷۸ میں اس معزز عدالت کے سامنے تمام
مواد پیش کر دیا گیا تھا اور اگر کچھ مواد حکومت پنجاب
یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے روک لیا تھا تو اسے مدعا علیہ
نمبر۲ کے حوالے کرکے درخواست گذار کی نظربندی کی
وجہ نہیں بنایا جاسکتا نیز یہ کہ سابقہ رٹ پٹیشن میں
بعض دستاویزات کے بارے میں ہوم سیکرٹری کی طرف
سے استحقاق کا دعویٰ نہیں کیا گیا تھا نہ ہی ایسی کوئی
بات ظاہر کی گئی تھی کہ یا تو کچھ مواد کو زیرِ غور نہیں
لایا گیا ہے یا اسے رد کیا جا رہا ہے۔ حکومت پنجاب یا
حکومت سے متعلق کوئی حاکم مجاز درخواست گذار کی
نظربندی کی حمایت میں ایسے مواد کو استعمال نہیں کر
سکتے۔ ذہنی تکلیف کے ساتھ یہ نشاندہی کی جاسکتی
ہے۔ زیرِ بحث حکم مدعا علیہ نمبر۱ نے اس وقت جاری
کیا جب کہ معاملہ اس معزز عدالت میں زیرِ سماعت
تھا اور مدعا علیہ نمبر۲ کی طرف سے بھی ایسی ہی صورتحال
پیدا کی گئی جب کہ معاملہ اس معزز عدالت میں زیرِ سماعت
تھا اور ان میں سے کسی نے اس معزز عدالت کو
مطلع نہیں کیا۔

(IX) زیرِ بحث حکم کسی دائرہ اختیار کے بغیر
جاری کئے جانے والے حکم کا صاف اور واضح مظاہرہ
ہے۔ کیونکہ اس میں وہ تمام وجوہات درج ہیں، جو
سی ایم ایل او ۱۲ میں کسی فرد کی نظربندی کے لئے
بیان کی گئی ہیں اور مدعا علیہ نمبر۱ کا حکم نہ تو کسی وجہ
کا اظہار کرتا ہے نہ ہی اُسے حکم کے اجرا کے لئے

مدعا علیہ نمبر۱ کی کسی رائے یا اطمینان کا اظہار کرتا ہے

(X) کہ مقدمہ بیگم نصرت بھٹو بنام فیڈریشن آف
پاکستان۔ پی ایل ڈی سپریم کورٹ ۷۷، ۶۵۷ میں طے کردہ
قانون کے مطابق مدعا علیہان کے احکام برقرار
نہیں رہ سکتے۔

(XI) زیرِ بحث حکم کے جاری کرنے کا واحد مقصد
یہ نتیجہ حاصل کرنا ہے کہ درخواست گذار کو اس کے
شوہر، جو اس وقت ڈسٹرکٹ جیل، راولپنڈی میں
ہیں، اور جن کے مقدمے کی سماعت راولپنڈی میں
سپریم کورٹ کر رہا ہے، کے مقدمے کی پیروی سے
روکا جائے۔ یہ جبر کو جاری رکھنے اور انصاف کے
نام پر ناانصافی کے مترادف ہے۔ انصاف، برابری
اور منصفانہ برتاؤ کے کسی بھی طریقے کے تحت
زیرِ بحث حکم کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ درخواست
گذار کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ملک سے باہر ہیں۔
درخواست گذار کی صرف ایک بیٹی مس بے نظیر
بھٹو پاکستان میں ہے۔ مدعا علیہان کے تمام اقدامات
کا مقصد پاکستان پیپلز پارٹی اور بھٹو خاندان کو
انتقام کا نشانہ بنانا ہے۔

(XII) کہ مدعا علیہ نمبر۲ کا جاری کردہ زیرِ بحث
حکم، مدعا علیہ نمبر۱ کی طرح، درخواست گذار کے
خلاف ایسے ترجیحی سلوک کے مترادف ہے جس کی
کوئی اور مثال اور مترادف نہیں۔ یہ واضح طور پر
قانون کے سامنے برابری کے تصور ہی کے منافی ہے
دوسری سیاسی جماعتوں کے رہنما ہر طرح کی تقریریں
کر رہے ہیں اور یہاں تک کہ کھلے بندوں اور اخبارات
کے ذریعے موجودہ حکومت کے اقدامات اور پالیسیوں
پر تنقید کر رہے ہیں۔ اور حکومت ان کے خلاف نوٹس
لینے کی بجائے سیاسی مذاکرات کے لئے ان کے پیچھے
دوڑ رہی ہے اور موجودہ حکمرانوں پر ان کی تنقید
کو یکسر نظرانداز کر رہی ہے جب کہ درخواست گذار
کی خاموشی کو بھی مارشل لاء کے خلاف مستعدی کے
ساتھ کام کرنے کے حق میں مضر تصور کیا جا رہا ہے
درخواست گذار کو پچھلے کئی ماہ سے نظربند رکھا گیا
ہے نظربندی کا یہ حکم ایسا حکم ہے جو ایک ایسے فرد
کے خلاف جاری کیا گیا ہے جو پہلے ہی نظربند ہے
اور اس پر اسی نوعیت کی پابندیاں عائد ہیں۔ ایسے
اقدام کو کبھی بھی قانون کی رُو سے جائز قرار نہیں
دیا جاسکتا اور اسے کسی بھی صورت میں قانونی قرار
نہیں دیا جاسکتا۔ مدعا علیہ نمبر۲ کے زیرِ بحث حکم میں
سی ایم ایل او ۱۲ کی دفعہ (۲) میں درج تمام وجوہات
کا ذکر بذاتِ خود اس حکم کو رنگ آمیز اور بدنیتی پر
مبنی بناتا ہے۔

(XIII) کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے
۲۷ مارچ ۱۹۷۸ء کے اخباری بیان کہ ملک میں امن و
امان کی صورتحال اطمینان بخش ہے اور انتظامیہ
کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے کے پیشِ نظر زیرِ بحث
حکم میں ظاہر کئے گئے مبینہ اندیشے کہ درخواست گذار
امن و امان کا مسئلہ پیدا کرے گی، بدنیتی پر مبنی اور
غلط ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ درخواست
گذار کئی ماہ سے نظربند رہی ہے۔

(XIV) کہ مدعا علیہ نمبر ۲ کو علم ہے کہ دفعہ ۴ (اے) میں مجوزہ کمیٹی کسی رائے کا اظہار نہیں کرے گی اور وہ خود ہی تنہا جج ہوں گے اور انہیں اپنے مطلب کی کے لئے جج بناتی ہے اور اس طرح مدعا علیہ نمبر ۲ کے ہاتھوں نظر بندی کی تمام کارروائی کو مہمل بنا دے گی۔

(XV) کہ اگر مدعا علیہ نمبر ۱ درخواست گذار کی نظر بندی میں اسی مواد کی بنیاد پر توسیع کرنا نہیں چاہتے تھے، مدعا علیہ نمبر ۲ بھی اسی مواد کی بنیاد پر کوئی حکم جاری نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں مشترکہ اختیارات کے حامل ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ نمبر ۲، مدعا علیہ نمبر ۱ کے جاری کردہ حکم پر منصف بن کر نہیں بیٹھ سکتے۔

(XVI) کہ ۲۰ اگست ۱۹۷۸ء کو یہ موقف تھا کہ مدعا علیہ نمبر ۱ اس معزز عدالت میں زیر بحث حکم مورخہ ۲۱-۵-۱۹۷۸ کا دفاع کر رہے تھے اور عدالتی اوقات کار کے اختتام تک اس معزز عدالت کو مدعا علیہ نمبر ۱ کے حکم میں مذکورہ نظر بندی کی میعاد میں توسیع کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں کی گئی۔ مدعا علیہ نمبر ۲ کے جاری کردہ حکم پر بھی ۲۰-۸-۱۹۷۸ کی تاریخ درج ہے۔ اب مدعا علیہ نمبر ۱ کا مدعا علیہ نمبر ۲ کو مواد فراہم کرنا جس کا نتیجہ مدعا علیہ نمبر ۲ کے حکم کی صورت میں نکلے، ایک ایسا سوال ہے جو واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۱ کے زیر بحث حکم جاری کرنے میں بدنیتی کارفرما ہے۔

(XVII) کہ مدعا علیہ نمبر ۲ اس بات کے مجاز نہیں ہیں کہ ایسا زیر بحث حکم جاری کریں جس میں وہ تمام وجوہات درج کی جائیں جو سی ایم ایل او ۱۲ کی دفعہ (۲) میں مذکور ہیں۔ یہ غور و خوض سے کام نہ لینے کا واضح معاملہ ہے۔

(XVIII) کہ مدعا علیہ نمبر ۲ کی طرف سے زیر بحث حکم مورخہ ۲۰-۸-۱۹۷۸ کو اس معزز عدالت سے پوشیدہ رکھنا اس معزز عدالت کو صحیح صورت حال کے بارے میں تاریکی میں رکھنے کا کھلا ثبوت ہے یہ توہین عدالت کے بھی مترادف ہے اور ایسا حکم سرسری طور پر منسوخ کر دیئے جانے کا مستحق ہے۔ حکم مورخہ ۲۰-۸-۱۹۷۸ کو پوشیدہ رکھنا دونوں مدعا علیہان کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے یا مدعا علیہ نمبر ۲ کے مدعا علیہ نمبر ۱ پر اثر کا نتیجہ ہے۔ یہ دیکھنا اس معزز عدالت پر منحصر ہے۔

اس لئے مودبانہ یہ التماس کی جاتی ہے کہ یہ معزز عدالت یہ ہدایت دے کہ درخواست گذار کو اس معزز عدالت میں پیش کیا جائے تاکہ یہ معزز عدالت اپنا اطمینان کر لے کہ درخواست گذار کو قانونی اختیار کے بغیر اور غیر قانونی طور پر نظر بند رکھا گیا ہے اور یہ قرار دے کہ نظر بندی کا حکم قانونی اختیار کے بغیر ہے اور کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتا اور درخواست گذار کو آزاد کرنے کا حکم صادر فرمائے۔

درخواست گذار
(بیگم نصرت بھٹو)
بتوسط
(اصغر علی)
ایڈووکیٹ
۹- فرید کوٹ روڈ۔ لاہور

بقیہ: اندرون سندھ

خوف کھا کر گھر سے آنا بند کر چکی ہیں۔ لیکن معلمات کیا کریں کہ ان کی تو نوکری ہے۔ کون ہے جو پولیس حکام سے کچھ کہہ سکے۔

کچھ یہی کیفیت کوٹڑی کے اسسٹنٹ کمشنر صاحب کی بھی بنی ہوئی ہے۔ کوٹڑی میونسپل کمیٹی کی چنگی کا ٹھیکہ نیلام ہوا۔ ٹھیکیدار کو مقررہ زر ضمانت جمع کر کے ایگریمنٹ کرنا تھا لیکن ٹھیکیدار اسسٹنٹ کمشنر صاحب کا منظور نظر ہے۔ چنانچہ انہوں نے اختیار نہ ہونے کے باوجود بغیر زر ضمانت ٹھیکیدار کو چنگی وصول کرنے کا چارج دلا دیا۔ ایگریمنٹ اب تک نہیں ہوا۔ ٹھیکیدار کی وصولی جاری ہے۔ مگر کون ہے جو پر مارے کہ انکوائری شکایت تو ڈپٹی کمشنر کو کی جا سکتی تھی۔ وہ خود بھی مارشل لاء کے ضابطے اور حکومت کی ہدایات کے باوجود سرکاری پلاٹوں کو مقررہ طریقہ پر نیلام کئے بغیر اس طرح اپنے لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں کہ گویا پلاٹ نہ ہوئے ریوڑیاں ہوئیں۔ دیدہ دلیری کا یہ حال ہے کہ قومی شاہراہ پر میونسپل کمیٹی کوٹڑی کے ہزاروں روپے کے صرفہ سے قائم کئے گئے۔ پارک کے ایک حصے کو بھی راشن ڈپوؤں کے معاملے میں جیل یاترا کرنے والوں کو دے کر راتوں رات بلڈنگ کھڑی کرا دی گئی ہے۔

بقیہ: جنرل ضیا کا انٹرویو

ممالک سے نسبتاً "ترقی یافتہ" خیال کرتے ہیں، لیکن صحت اور بنیادی ضرورتوں کے میدانوں میں ایسا نہیں ہے۔ بیر بہت سے لوگوں کو پینے کا پانی حاصل کرنے کے لئے دس دس میل کا سفر طے کرنا پڑتا ہے، ہماری تیسری ترجیح صنعت کو ہو گی جس میں تیل، گیس، ٹیکسٹائل اور دوسری صنعتیں شامل ہیں۔ یہ ترجیحات آئندہ پنجسالہ منصوبے میں متعین کی جائیں گی، جسے ہمیں امید ہے آئندہ حکومت منطقی اختتام تک پہنچائے گی۔

سوال۔ ایک ایسے ملک کے سربراہ کی حیثیت سے جو سوویت یونین کے پڑوس میں واقع ہے۔ آپ افریقہ میں روس کی مداخلت کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، جہاں بظاہر وہ توسیع پسندانہ عزائم رکھتا ہے۔ کیا آپ کو یہ پریشانی ہے کہ وہ ایشیا کے اس خطے میں بھی نقل و حرکت کی کوشش کرے گا؟

جواب: اپنی جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے پاکستان کو اچھے ہمسایوں اور بڑی طاقتوں سے اچھے تعلقات رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم اس وقت تک جب تک ہماری سلامتی کو خطرہ لاحق نہ ہو، سوویت یونین سے تعلقات بہتر بنانے کے خواہشمند ہیں۔

سوال: ۱۹۷۱ء میں صدر نکسن نے بیان دیا تھا کہ صرف ان کی حکومت نے بھارت کو پاکستان پر چڑھائی کرنے سے باز رکھا تھا۔ آپ کا کیا خیال ہے۔

جواب: وہ درست ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اتنی سادہ بات نہیں ہے کیونکہ بھارت کو علم تھا کہ وہ مغربی پاکستان میں جنگ کر رہے ہیں نکسن نے اپنا اثر ضرور استعمال کیا ہو گا لیکن بھارت کے سرکاری ذرائع جو واقعات بیان کرتے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مقصد پاکستان پر حملہ کرنا نہیں تھا۔

بھارت سے ہمارے تعلقات آج کل اچھے ہیں۔ خاص طور پر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد سے۔ تاہم صورت حال کا احتیاط سے جائزہ لینا ضروری ہے۔ پاکستان کا قیام اگرچہ باہمی رضامندی سے عمل میں آیا تھا لیکن تیس سال میں ہم نے بھارت سے دو جنگیں لڑیں۔ لہٰذا ہمیشہ شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں باقی رہیں گی کشمیر کا مسئلہ ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا رہے گا

گو کہ بیرونی طور پر تعلقات بڑھ بھی جائیں لیکن اندرونی طور پر عدم اعتماد کے احساسات ہمیشہ رہیں گے. تاوقتیکہ دونوں طرف کے لیڈر از سرِ نو اس سمت میں قدم نہ اٹھائیں۔

چیف ایگزیکٹو۔ "ان تمام مسائل کی موجودگی میں جو آپ کے ملک کو درپیش ہیں، آپ کے خیال میں ایک حقیقت پسندانہ حل کیا ہو سکتا ہے؟"

جنرل ضیا۔ "میں پورے خلوص سے یقین رکھتا ہوں کہ اگر صحیح لیڈرشپ مل جائے تو یہ ملک معجزانہ کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ہمارے پاس بڑی عمدہ افرادی قوت ہے، اچھے وسائل ہیں لیکن اچھی لیڈرشپ کے معاملے میں ہم خوش بخت نہیں رہے ہیں۔ میں یہ بتانے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں کہ میں سول کنٹرول کے بہترین متبادل مہیا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ذاتی طور پر میں صدارتی طرزِ حکومت کے حق میں ہوں لیکن میں اسے عوام پر ٹھونس نہیں سکتا۔ لیکن یہ ان کی اپنی پسند کی بات ہے۔ اگر ہمیں صحیح لیڈرشپ، پاکستان کے حالات کے مطابق جمہوریت کی قسم میسر آ جائے، تو یہ ملک صنعت، تعلیم اور سائنس کے میدان میں معجزے دکھلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہمیں فوج پر فخر ہے۔ اس نے ۱۹۷۱ء کی جنگ ہار دی لیکن افواج کبھی نہ کبھی جنگوں میں شکست کھاتی ہیں.

بقیہ: آزاد کشمیر

گندم کی بوریاں اور دوسری اشیا کا سرِ عام نیلام ہوا. تب جا کر بل کی ادائیگی ہوئی۔ اس لئے ہمیں ایسے وزیروں کے چلے جانے کا غم لاحق نہیں ہوا۔ البتہ دل ہی دل میں سوچتے ہیں کہ بھٹو صاحب نے مصلحتوں سے کام کیوں لیا۔ پھر افسوس کا دوسرا پہلو ہماری بروقت نشاندہی سے ابھرتا ہے۔ کاش برسرِ اقتدار طبقہ مخلوقِ خدا کی ہمہ وقتی پکار پر کان دھرتا تو آج دنیا اس قدر مایوس نہ ہوتی.

اگر سیاسی تقریریں، صدارتی فرمان، ترقی کے نئے منصوبوں کی طویل فہرست سے انسان کی بھوک اور اس کے مسائل کا حل ممکن ہے تو یہاں کوئی مسئلہ نہیں۔ عملی صورت میں غریب انسان کا سیاسی تقریر، کسی نیک یا بد فرمان، طویل المدت منصوبے سے کوئی واسطہ نہیں. اسے واسطہ ہر صبح ٹماٹر والے سے پڑتا ہے جو آج کل

ٹماٹر کے دام تین چار روپے سے بڑھا کر بارہ[12] روپے تک لے گیا ہے۔ بھنڈی، توری، پالک چھ روپے سیر بک رہی ہے۔ غریب کی شراب انگور سولہ روپے فی سیر اور گرما ۳۵ روپے دانہ بک رہا ہے۔ مرغ ۱۶ روپے سیر اور انڈے ۱۰ روپے درجن بلیک میں بھی نہیں ملتے۔ دودھ گوشت، مٹی کا تیل، ایندھن، اور دوسری اشیا کے پہلوانی دام لگ رہے ہیں۔ پاکستان کے باقی صوبوں میں اعلانات کے ساتھ کچھ انتظامی کارروائی بھی عمل میں آئی. کچھ چھاپے پڑے۔ چند اشیا کی قیمتیں سختی سے مقرر ہوئیں مگر آزاد کشمیر میں قیمتیں برقرار رکھنے کے لئے اخباری بیان جاری ہوا جس کے احترام میں چیزیں جتنی سستی ہوئیں اس کا ذکر ہم نے کر ہی دیا۔ آزاد کشمیر میں قانون کا عملی نفاذ اس لئے مشکل نہیں کہ ایک ٹٹو پر بیٹھ کر تین دن میں سارے علاقے کا ٹور ہو سکتا ہے۔ مگر کوئی بیٹھے تو سہی۔ تمام سرکاری دفاتر فائلوں سے اٹے پڑے ہیں چائے پر چائے اور پھر فوجی سیاست پر تبصرہ۔ نوکر شاہی نے ایشیا کے زیرک سیاستدان مسٹر بھٹو کی کمر زمین پر لگانے میں دیر نہیں کی۔ غیر سیاسی پاس سے عہدہ برآ ہونا کچھ مشکل نہیں۔

پھر سیاست کا بھی کچھ عجیب مزاج ہے۔ لبریشن لیگ والے خاموش کسی غیر نمائندہ حکومت میں شمولیت کی تاک میں بیٹھے ہیں۔ آزادی، شہری مسائل، انتخابات وغیرہ ایسا کوئی خاص مسئلہ انہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ بڑوں سے ملاقات اور میٹھی باتیں ان کے دم خم کو تازگی بخش رہی ہیں۔ جہاں تک مسلم کانفرنس کا تعلق ہے ان کا ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنی طاقت اور مقبولیت کو بن دیکھے براق پر سوار کرتے رہے۔ اتحاد کے بھلے دنوں میں یہ لوگ اپنے قائد کو آزاد کشمیر چھوڑ کر پاکستان کی قیادت سنبھالنے کا مشورۂ سعید دے رہے تھے۔ پیپلز پارٹی کے دور میں شام ڈھلے پر ملاقات کا شرف پانے والے ڈیڑھ سو امن کی گالی سے اپنی نئی وفاداری کا بھرم رکھ رہے تھے۔ احتساب کا شور تھا کہ ہماری ایک بھی نہ چلی۔ اور اب سردار صاحب بہ نفسِ نفیس احتساب کے فوکس میں لائے گئے۔ سردار صاحب نے چلہ سنبھال لیا اور پارٹی والے ہر اجلاس میں مارشل لاء احکام کو اپنے تعاون، اپنی وفا کا ایک سیاسی بیان روانہ کرتے ہیں۔ اگر سردار محمد عبدالقیوم خان جیسا کہ حالات بتا

رہے ہیں احتساب کے عمل سے متاثر ہوئے تو آزاد کشمیر کا آئندہ کا سیاسی خاکہ کافی دلچسپ ہوگا۔ کسی نوجوان مخلص قیادت کے ابھرنے کے وافر مواقع ہیں اور اگر پیپلز پارٹی والے اپنی ہجرت سے نادم ہو کر اپنی ہی پارٹی سے وابستہ رہے تو اگر خود نہیں تو پارٹی کے نام پر بہت سنگین مقابلہ کر سکتے ہیں۔

آزاد کشمیر میں سول سیاست کے چلے جانے اور فوجی سیاست کی بسم اللہ سے عام انسان کی مشکلات اور اس کے مسائل میں کمی کی جگہ اضافہ ہی ہوا۔ عرضیاں مہینوں ہلنے کا نام نہیں لیتیں۔ موجودہ مہذب اور جمہوری دور کی روشنی میں کوئی نہیں سوچتا۔ کچھ برادری کے نام پر اکٹھے جمع ہو رہے ہیں اور پھر برادری کے نام پر ہی مہذب اور جمہوری اقدار سے منہ موڑا جا رہا ہے۔ البتہ مسلم کانفرنس کو لینے کے دینے پڑے. اس جماعت نے پیپلز پارٹی کے چلے جانے پر جو تالی بجائی وہ منہ کا تھپڑ بن گئی۔ کیونکہ جس برق رفتاری سے وہ سابقہ حکومت کا کچا چٹھا ظاہر کرنے پر تلے تھے۔ اس سے ایک قدم آگے نکل کر ان کے اعمال نامے تیار ہو رہے ہیں۔ آزاد مسلم کانفرنس کے سربراہ چوہدری نور حسین بینک سکینڈل میں گرفتار ہیں۔ پھر واحد ماڈرن مولوی اوپل گاڑی اکیلے ڈرائیو کر رہے ہیں۔ ان کی پہچان میرواعظ حرم کے کردار سے نہیں، بلکہ عوامی دستار بندی سے ڈوڈی میرواعظ ہے۔ یہ واحد سیاسی رہنما ہیں جن کی جماعت عوامی ایکشن کمیٹی برائے آزاد کشمیر و پاکستان میں وہ خود ہی عوام، خود ہی ایکشن اور اکیلے ہی کمیٹی بھی ہیں۔ بڑے آرام سے خفیہ فنڈ سے ۴۶ ہزار روپے کھا کر بھٹو صاحب کو بھول بیٹھے۔ غرض آزاد کشمیر آج کل بے سیاستے دور سے گزر رہا ہے۔ البتہ فوجی سیاست کو سول گرانی کا جو زبردست چیلنج پیش ہے اس میں گرانی کا پلہ بھاری ہے۔ ان دونوں پاٹوں کے درمیان بے چارہ غریب پسا جا رہا ہے۔ بدقسمتی سے کسی کی نگاہ میں غریب سماتا ہی نہیں۔ اس کی کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ باتیں احتساب، پسند ناپسند، برادری، غیر برادری، فرمانوں، منصوبوں کی ہوتی ہیں۔ غریب کے شام کی قوت خرید کا کسی کو احساس نہیں بلکہ اس کی غیر یقینی آنے والی کل کے تئے بے شمار منصوبے ہیں۔ چاہے اسے وہ کل دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو، مگر ہمارا سارا زور کل پر ہے۔ آج ہمارے منصوبوں میں شامل نہیں

میں تمہیں، تمہاری حکومت اور ضابطوں کو نہیں مانتا: مختار رانا

پاکستان انقلابی محاذ کے سربراہ مسٹر مختار رانا سابق ایم این اے نے سیاست دانوں کے محاسبہ کے سلسلہ میں مارشل لاء حکام کے سامنے پیش ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ مسٹر مختار رانا کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب زون اے کے ہیڈ کوارٹر سے بریگیڈیر مظفر حسین نے ۲۴ جولائی کو ایک لیٹر ان کے لندن کے ایڈریس پر ارسال کیا تھا جس میں انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ۱۵ اگست کو اثاثوں کی چھان بین کرنے والی کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر اپنی پوزیشن کی وضاحت کریں۔ پیش نہ ہونے کی صورت میں انہیں چودہ سال قید سخت دی جا سکتی ہے نیز ان کی جائیداد بھی ضبط کی جا سکتی ہے۔

مسٹر مختار رانا نے بریگیڈیر مظفر حسین کے نام ۱۱ اگست کو اس نوٹس کا جواب بھیجا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ۲۴ جولائی کو ان کے نام بھیجا ہوا خط قدرتی انصاف، بنیادی حقوق، غیر جانبدارانہ سماعت اور انسانی حقوق کے اس بین الاقوامی اعلامیے کے تحت قانون کی کھلی خلاف ورزی ہے جس پر پاکستان نے بھی دستخط کئے ہیں۔ انہوں نے اپنے خط میں کہا ہے کہ وہ صرف پاکستان کی منتخب حکومت کے سامنے جوابدہ ہو سکتے ہیں اور وہ بھی با اختیار عدالت کے ذریعے جو آزادانہ اور منصفانہ سماعت کی ضمانت دے۔ جناب مختار رانا نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہیں جس نے انہیں مزدوروں، کسانوں، طلبہ و دانشوروں اور پاکستان کے تمام محب الوطن عوام کے ہمراہ جمہوری آزادی، سماجی انصاف اور معاشی خوشحالی کے لئے جدوجہد کی ہمت و استقامت کی دولت عطا کی۔ انہوں نے مزید لکھا ہے کہ پاکستان کی سرمایہ دارانہ جاگیردارانہ، افسر شاہانہ اور آمرانہ حکومتوں نے انہیں اعلیٰ اقدار کے حصول کی جدوجہد کے جرم میں انہیں مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا قید میں رکھا اور معاشی طور پر تباہ کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں ان کی جائیداد صرف پانچ ہزار روپے رہ گئی ہے جب کہ اس سے کہیں زیادہ رقم دوستوں اور رشتے داروں کے قرضوں کی صورت میں واجب الادا ہے۔

جناب مختار رانا نے بریگیڈیر مظفر حسین کے خط پر سخت احتجاج کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ پاکستان اور پاکستان سے باہر انصاف کے اداروں کے ذریعے مارشل لاء حکام کی بدنیتی اور انتقامی کارروائی کی کوشش کے مقابلے میں اپنا دفاع کریں گے، کیونکہ انصاف اور منصفانہ سماعت کے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق فوجی ٹریبونل کسی شہری پر مقدمہ نہیں چلا سکتا۔ اس کے علاوہ جنرل ضیاء الحق جنہوں نے آپ کو مقدمہ چلانے کا اختیار دیا ہے انہوں نے خود اقتدار پر قبضہ کیا تھا اور ابھی تک اسی کے ذریعے، لوگوں کو مار کر کوڑے لگا کر، اور پاکستان کے ہزاروں شہریوں کو قید کر کے حکومت کر رہے ہیں۔ وہ پاکستان کے شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق یعنی آزادیٔ اظہار رائے، تنظیم اور منصفانہ و غیر جانبدارانہ سماعت اور اپنی حکومت خود منتخب کرنے کے حق سے محروم کر رکھا ہے، ان کے مارشل لاء احکامات غیر قانونی ہیں کیونکہ انہیں منتخب اسمبلی کی تائید حاصل نہیں، وہ اسلام کے نام پر فوجی اور یک شخصی حکمرانی کے ذریعے اسلام

میرا کل اثاثہ وہ قرضے ہیں جو دوستوں نے دیئے تھے

کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں، اسلام میں آمریت کی کوئی گنجائش نہیں اور اسلام صرف عوام کی منتخب اسمبلی کے ذریعے نافذ ہو سکتا ہے، جنرل ضیاء نے ظالمانہ فوجی جارحیت کے ذریعے پاکستان کے آئین کو کچل دیا ہے اور ان سیاستدانوں کے خلاف انتقامی کارروائی کے لئے جو جنرل ضیاء سے متفق نہیں، انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فوجی ٹریبونل قائم کر دیے ہیں چنانچہ وہ اتھارٹی جس نے آپ کو اختیار دیا اور مارشل لاء کے وہ احکامات جس کے تحت آپ کو ٹریبونل بنایا گیا بذات خود غیر قانونی، غیر آئینی، بدنیتی پر مبنی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہیں۔ کسی بھی ملک کی فوج کا فرض، ملک کا دفاع کرنا ہے اس پر حکومت کرنا نہیں، فوج کا فرض ہے کہ وہ انسانی حقوق، پاکستان کے آئین اور اپنے حلف کو پامال کرنے کی کارروائیوں کے بجائے بیرکوں میں واپس جائے۔

محاسبے کا یہ عمل بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے

ہفت روزہ
الفتح
کراچی
ہفت روزہ
ریاست
کراچی
ہفت روزہ
راہی
کراچی
ہفت روزہ
پربھات
ہفت روزہ
معیار
کراچی
ہفت روزہ
کہکشاں
کراچی
کہتے ہیں کہ اب اظہار کی آزادی بہت ہے
ہفت روزہ
رازداں
کراچی
روزنامہ
امن
کراچی
روزنامہ
صداقت
کراچی
روزنامہ
مساوات
کراچی
روزنامہ
تعمیر
راولپنڈی
ہفت روزہ
نوائے جنگ
حیدرآباد